اقبال کا ایک ممدوح

عظیم سنسکرت شاعر اور مفکّر

بھرتری ہری

(تحقیقی مطالعہ اور اس کے مستند کلام کا اردو ترجمہ)

تحقیق اور ترجمہ

پروفیسر عبدالستّار دلوی
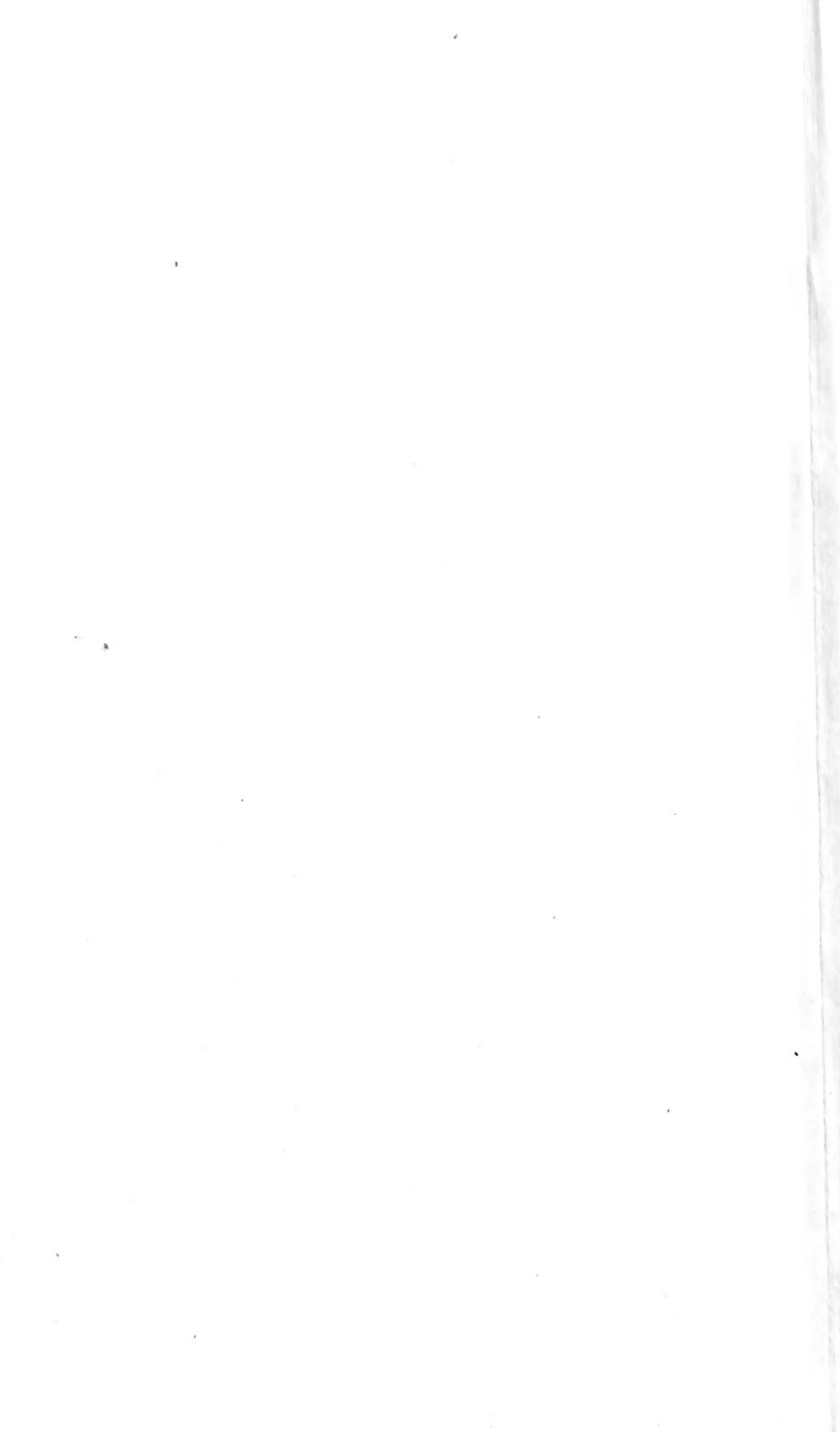
ناشر

دائرۃ الادب، باندرہ، ممبئی-۵۰

اقبال کا ایک ممدوح

عظیم سنسکرت شاعر اور مفکّر

بھرتری ہری

(تحقیقی مطالعہ اور اس کے مستند کلام کا اردو ترجمہ)

26/11/12

پروفیسر عبدالستّار دلوی

(سابق کرشن چندر پروفیسر و صدر شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی)

یکے از مطبوعات

ناشر

دائرۃ الادب، باندرہ، ممبئی

۲۰۰۴ء

ضابطہ

تصنیف : اقبال کا ایک ممدوح: بھرتری ہری

تحقیق اور ترجمہ : پروفیسر عبدالستار دلوی

اشاعت اوّل : اگست ۲۰۰۴ء

تعداد : پانچ سو (۵۰۰)

قیمت : -/250 روپئے

بیرونی ممالک سے : 30 امریکی ڈالر

سرِورق : جاوید یوسف

کمپوزنگ اور طباعت

ناشـــر

دائرۃ الادب، ۳-نیو دیپ سوسائٹی، باندرہ ریکلمیشن، ممبئی۔ ۵۰

مـلـنـے کـا پـتـہ

مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، علی گڑھ اور ممبئی

سیفی بک ایجنسی، ممبئی

Iqbal's Great Favourite : BHARTRIHARI

With 200 Poems translated in to Urdu

by:

Professor Abdus Sattar Dalvi

(Former Head, Dept. of Urdu, University of Mumbai)

Published by : **DAIRATUL ADAB**

3, New Deep Society, Bandra Reclamation, Bandra, Mumbai - 50

(یہ کتاب مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی کی جزوی مالی اعانت سے شائع ہوئی)

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرا آگے
(غالبؔ)

اپنے بزرگ و محترم

علمی رہنما اور ممتاز مؤرخین

پنڈت سیتو مادھوراؤ پگڈی

اور

ڈاکٹر پی. ایم. جوشی

کی کبھی نہ بھولنے والی یادوں

کے

نام

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

غالبؔ

اصل سنسکرت شلوک

व्यालं बालमृणालतन्तुभिरसौ रोद्घुं समुज्जुम्मते
छेत्तुं वज्रमणीव्छिरीषकुसुमप्रान्तेन सन्नह्यते ।।
माघुंर्य मघुबिन्दुना रचयितुं क्षाराम्बुघेरीहते
नेतुं वाञ्छतियःखलान् पथि सतां सूधास्यन्दिभिः ।।।।

پہلا اردو ترجمہ:

جو شخص کھوٹے آدمی کو اپنی نصیحت سے راہِ نیک پر لانے کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ ایسا ہے جیسے کوئی نازک کنول کی ڈنڈی کے سوت سے ہاتھی کو باندھنا چاہتا ہو۔ اور سرس کے پھول کی پنکھڑی سے ہیرے کو پرونا چاہتا ہو۔ اور کھاری سمندر کو ایک بوند شہد سے میٹھا کرنا چاہتا ہو۔

(جوہرِ تثلیث یعنی بھرتری ہری شتک، مترجمہ : بابو گوری شنکر لال اختر - ۱۹۱۳ء)

☆

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر
بالِ جبریل
اقبال

فہرست

پیش لفظ

ڈاکٹر رفیق زکریا

ڈاکٹر عبدالستار دلوی کی اس اعلیٰ اور عمدہ کتاب کے مطالعہ کے بعد میں بے حد اطمینان محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستانی مسلمانوں پر چند ہندو فرقہ پرستوں کے الزامات کہ انہوں نے ہندو علم الاصنام اور آثار اور تہذیب میں کبھی اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا، قطعاً غلط ہے۔ کاش سر ودیا نائپال (Sir Vidia Naipaul) جو ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ ان کی جڑیں ہندوستان میں پیوست نہیں ہیں، اگر اردو جانتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ وہ کس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔ اسی طرح کے رویہ کا احساس مجھے کیمونل ہارمنی کمیٹی (Communal Harmoney Committee) کے اجلاس میں چند اراکین کمیٹی کے یہاں بھی ہوا جو سابق ہندوستانی وزیر داخلہ جناب لال کرشن اڈوانی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اور تو اور ہندوؤں کی مقدس کتاب ''گیتا'' کا بھی اردو میں ترجمہ موجود نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ غلط ہیں اور پھر میں نے ''اردو میں گیتا'' پر ایک مقالہ لکھا اور اس میں، میں نے انہیں بتایا کہ اردو میں گیتا کے ترجمے اور تشریحیں ستّر سے بھی زیادہ ہیں جن میں سے کئی شہرت یافتہ مسلمانوں کی یادگار ہیں۔ میرا مقالہ سب سے پہلی مرتبہ The Asian Age میں شائع ہوا اور پھر بعد میں دیگر رسائل میں بھی دوبارہ شائع کیا گیا جن میں سے ایک ''قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان'' کا رسالہ ''اردو دنیا'' بھی شامل ہے۔

میں نے اس موقع پر کمیٹی کو یہ بھی بتایا کہ مسلمان ادیبوں اور شاعروں نے رامائن اور مہابھارت کے بھی کئی اردو ترجمے کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو میں ویدوں، اپنشدوں اور متعدد ہندو سنتوں اور دانشوروں کے افکار کے بھی ترجمے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالستار دلوی اپنی بالغ نظری اور ادبی مہارت کی بنا پر پیش پیش ہیں۔ ان کی ہر کتاب میں جس کا انہوں نے ترجمہ کیا ہے اور جس سے قارئین کا سابقہ پڑا ہے اس قدر مواد ہے کہ موضوع پر ان کی اعلیٰ گرفت اور اردو زبان میں اس کی تشریح و توضیح پر حیرت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر دلوی نے میری کتاب Iqbal : The Poet and the Politician کا

بھی انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ ترجمہ اعلیٰ ادب کا بہترین نمونہ ہے
میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ اردو میں ہندوؤں کے ادب عالیہ کے ترجمے کی روایت نئی نہیں بلکہ
مسلمانوں کی توجہ اس جانب عہد قدیم سے مرکوز رہی ہے۔

ڈاکٹر دلوی بلاشبہ بے حد محنتی محقق ہیں جنہوں نے ترجمہ کے میدان میں بہترین ادب پیش کیا
ہے۔ تلسی داس کی رامائن پران کا مقالہ شہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے علم کی گہرائی حیرت انگیز ہے
اور ان کا اسلوب نگارش علم اور سادگی کا خوش کن امتزاج پیش کرتا ہے۔ انہوں نے میری کتاب کے
ترجمے کو اس طرح سے پیش کیا ہے کہ وہ ترجمہ نہ ہو کر تخلیق معلوم ہوتی ہے۔

زیر نظر کتاب میں جو سنسکرت کے عظیم شاعر بھرتری ہری پر ہے انہوں نے واقعتاً اپنے آپ کو
قابل تعریف وتوصیف بنایا ہے۔ جزوی طور پر یہ شاعر کی داستان حیات ہے اور اس کے ساتھ اس کی
شاعری کا خوبصورت اردو عکس ہے۔ اس میں سنسکرت شاعر جیسے کالی داس سے لے کر بھرتری ہری تک
متعدد اہل کمال کا مفصل ذکر ہے۔ ڈاکٹر دلوی نے بھرتری ہری کی شاعری کے مختلف تراجم کا بھی ذکر
کیا ہے جو مسلمان شاعروں کے ذوق وشوق اور محنت کا نتیجہ ہیں۔ ڈاکٹر دلوی نے صرف ان ترجموں کا
حوالہ نہیں دیا ہے بلکہ ان کو مربوط بھی کیا ہے۔ اس کتاب کے ایک بڑے حصہ میں ڈاکٹر دلوی نے
بھرتری ہری کی شاعری کے شاعرانہ حوالوں کی طرف بھی اشارے کئے ہیں جو اقبال کی شاعری میں
پائے جاتے ہیں۔ قارئین یقیناً ''بالِ جبریل'' کے سرورق پر بھرتری ہری کے شعر سے واقف ہوں
گے جس کا اقبال نے اردو ترجمہ کیا ہے۔

ڈاکٹر دلوی نے اپنی کتاب کا ایک بڑا حصہ اقبال کے ممدوح، سنسکرت کے عظیم شاعر بھرتری
ہری کے شاعرانہ مرتبہ کا تعین اور اس کی شاعری کی مدح اور توصیف پر صرف کیا ہے۔ یہ بات خاص
طور سے ''جاوید نامہ'' میں ظاہر ہوئی ہے، جس میں اقبال اپنے مرشد مولانا روم کے ساتھ آسمانوں
کا روحانی سفر کرتے ہوئے دیگر مفکرین کے ساتھ وشوامتر اور بھرتری ہری سے بھی ملاقات کرتے
ہیں۔ ''جاوید نامہ'' میں ملاقات کا یہ بلاشبہ دلکش اور پرلطف مکالمہ ہے جسے ڈاکٹر دلوی نے اس قدر دل
موہ لینے والے انداز میں پیش کیا ہے کہ وہ فرقہ پرست ہندو معترضین جو اپنے اندر ہندوستانی
مسلمانوں کے لئے تعصب رکھتے ہیں انہیں شرم سے اپنے سر جھکانے پڑیں گے۔ اس ضمن میں بے
شمار ایسی مثالیں دی جاسکتی ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کئی باعظمت ہندوستانی مسلمانوں
نے ہندو فلسفہ وافکار کے خزانوں سے اپنے آپ کو آگاہ رکھا ہے۔ مثال کے طور پر ''بنارس'' پر غالب

کی مثنوی ایک ادبی شہکار ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز سے ہندوؤں کے مقدس ترین شہر کو انتہائی شاعرانہ اور حسین انداز سے خراج عقیدت پیش کیا ہے جو لاثانی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی ہندو سنسکرت یا کسی دوسری زبان کے کسی شاعر نے بنارس کے بارے میں اس قدر دلکش و دلفریب نظم کہی ہو۔ بدقسمتی سے اس طرح کی کئی ادبی کوششیں بالخصوص ہندوؤں میں نظر انداز ہوتی رہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب بہت کم ہندو اردو سے واقف ہیں اور اس میں سے بہت کم کا ہندی یا دیگر ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔

میری طرح ڈاکٹر دلوی نے بھی ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کو ایک مشن کی طرح اپنایا ہے اور اس کے فروغ میں کوشاں رہتے ہیں۔ انہوں نے مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر اور لائبریری (ہندوستانی پرچار سبھا) (ممبئی) کی داغ بیل ڈالی اور اسے ہندوستان کا ایک بہترین ادارہ بنایا۔ جس نے ایماندارانہ طور پر ہندی اور اردو کو قریب لانے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر دلوی نے نہ صرف اس کی بنیاد رکھی بلکہ کئی سال تک اسے کامیابی سے چلایا۔ انہوں نے اس کی کارکردگی میں گاندھی جی کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی اقدار کو رائج کیا۔ صرف اسی قومی خدمت اور گاندھی جی کے پیغامِ امن کے مشعل بردار کی حیثیت سے بھی اگر انہیں یاد رکھا جائے گا تو یہ کم اعزاز نہیں ہوگا۔ لیکن انہوں نے اس ضمن میں بہت کچھ اور بھی کام کیا ہے۔ انہوں نے ''امرت بانی'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس میں انہوں نے ہندی اور اردو کی متعدد نظموں میں موضوع اور مواد میں مشترکہ عناصر اور یکسانیت کو پیش کیا ہے۔ متبحر عالم پروفیسر سنیتی کمار چٹر جی نے اس کی بے انتہا تعریف کی ہے۔ ان کی بھرتری ہری پر یہ تازہ ترین تصنیف ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی افہام و تفہیم کی ان کی سابقہ کوششوں سے مطابقت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر دلوی نے مختلف سنسکرت، ہندی اور مراٹھی کے اہم مذہبی متون کو مسلمانوں کے مطالعہ کی خاطر اردو میں ترجمہ کر کے غیر معمولی اور اہم خدمت کی ہے جس سے قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ان زبانوں پر انہیں خاصہ عبور حاصل ہے۔ لہٰذا ان کے اردو میں ترجمے اصل زبان کے جاہ و جلال اور وقار کو قائم رکھتے ہیں۔ میں بھرتری ہری کی نظموں کے ان کے ترجموں سے بے حد متاثر ہوں۔ اردو میں ان کے ترجمے اصل نظموں کا لطف دیتے ہیں۔ انہوں نے ان ترجموں کو شاعرانہ پیرایہ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ قاری کے ذہن و دل میں اتر جاتے ہیں۔ میں سنسکرت کے عالم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مجھے بھرتری ہری کے اظہار اور اسلوب کا بھی اندازہ نہیں ہے، لیکن ڈاکٹر دلوی

کے ان بے مثال ترجموں کو پڑھنے کے بعد میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ بھرتری ہری دنیا کے عظیم مفکروں میں سے ایک ہے اور اسے بجا طور پر اس کی خلاقانہ قابلیت اور افکار کے خوبصورت بیان کی وجہ سے بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔

بھرتری ہری کے بارے میں مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ عورت کا حسن وقار اور دلکشی اس پر بے طرح حاوی ہے۔ یکے بعد دیگر کئی نظموں میں وہ عورتوں کے جسمانی خدوخال کا بے محابا بیان کرتا ہے جو مردوں کو اس کی جانب ملتفت کرتے ہیں۔ایک جگہ وہ کہتا ہے:

ہنستا ہوا چہرہ ہوتا ہے
معصوم نگاہوں میں جادو
اندازِ تکلم کا اس کے
کچھ اور ہی عالم ہوتا ہے
رفتار کا عالم کیا کہئے
جیسے کوئی پودا جھک جائے
بدمست غزالی آنکھوں میں
کیا سحر طرازی ہوتی ہے
نوخیز حسینہ پر جس دم
بھرپور جوانی آتی ہے

اور ان جذبات کا اظہار اس نے کئی جگہوں پر کیا ہے، لیکن پھر وہ یکا یک اسے مجرم قرار دے کر اس پر ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے:

اک حسینہ ہو کر مقابل میں
جس کی آنکھیں ہوں روشن وتاباں
حسن کا جن میں کچھ غرور بھی ہو
جس کا سینہ گداز وعریاں ہو
دل نشیں جس کے سب نقوش بھی ہوں
جس کی زلفوں کی دلفریب گھٹا
اس کے نازک بدن پہ چھائی ہو

کون ایسے میں ہوگا خوش قسمت
اپنے ہوش وخرد سنبھال سکے؟

☆☆

ایک عورت کی چھاتیاں، توبہ!
گوشت کا اک ابھار ہوتی ہیں
ان کو دیتے ہیں بارہا تشبیہ
خوبصورت طلائی پیالوں سے
اس کا چہرہ جو ایک منبع ہے
کف کا اور بلغمی غلاظت کا
اور اسے ماہتاب کہتے ہیں
اس کی پیشاب سے بھری رانیں
ساقِ مرمر بتائی جاتی ہیں
صنفِ نازک کے گندے پیکر کو
شاعروں نے بنا دیا کیا کیا؟

☆☆

ایک اور جگہ اس طرح کا اظہار کیا ہے۔

عورت کا جسم کیا ہے، اک دشت آرزو ہے
کتنے ہی لوگ اس میں جا کر بھٹک گئے ہیں
سینہ بھی اس کا گویا کہسار کی ہے وادی
شہوانیت کا ڈاکو جس میں چھپا ہوا ہے

اگرچہ عورت بھرتری ہری کی شاعری پر حاوی ہے، اس کے یہاں فلسفیانہ اظہار بھی ہے جو انسان کی تقدیر سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے اسے اپنی جوانی میں کس طرح رہنا چاہئے، کیا اس کی زندگی کا فیصلہ قسمت کرتی ہے یا اس کا عمل۔ آخری ایام میں اس کا بڑھاپا کس طرح زندگی میں خلل ڈال دیتا ہے اور اسے کس طرح اس سے نبرد آزما ہونا چاہئے۔ ان سارے موضوعات پر اس نے کئی نظمیں کہی ہیں میں ان میں سے صرف چند نظمیں مثالاً پیش کروں گا تا کہ اس ضمن میں اس کی فکر کا اندازہ کیا

جا سکے:

امیدیں آدمی کی ایک دریا ہیں
تمناؤں کا پانی جس میں بہتا ہے
ہماری آرزوئیں جس کی موجیں ہیں
مگرمچھ اس میں ہیں جذباتِ انسانی
ظن وتخمیں کی چڑیائیں کنارے پر
ہمارے فیصلوں کے پیڑ کو برباد کرتی ہیں
تفکّر، اس میں اک پرہول گھاٹی ہے
توہّم کے بھنور حائل ہیں پانی میں
کہ دریا پار کر لینا بہت دشوار ہوتا ہے
حقیقت میں انہیں کا کام اس کو پار کرنا ہے
جنہوں نے کچھ تعلق ہی نہیں رکھا ہے دنیا سے
ہے جن کا قلب پاکیزہ، ہوا و حرص سے عاری

☆☆

صرف اپنے ایک بھوکے پیٹ کی خاطر بھلا
ایک غیرت مند انسان
کس طرح مانگے گا بھیک
جب کہ اس کو خوف یہ ہے
لوگ دیں گے جھڑکیاں
کس طرح سوکھے ہوئے
ہونٹوں سے نکلے گی یہ بات
''میں ہوں بھوکا، مجھ کو کچھ
دے دو خدا کے نام پر!''
اہل ثروت کو یہ کیا معلوم، غربت کا شکار
اس کی اک بیوی ہے

اور معصوم بچے بھی ہیں
جو کہ بھوکی ماں کا دامن کھینچتے ہیں بار بار
اور روٹی مانگتے ہیں اور ماں مجبور ہے

☆☆

کم ہیں دنیا میں اس طرح کے لوگ
نیک صحبت کو جو پسند کریں
دوسروں کی صلاحیتوں پہ خوش ہو جائیں
جو بزرگوں سے انکسار کریں
علم کی جستجو میں رہتے ہوں
اپنی بیوی سے پیار کرتے ہوں
کذب اور افترا سے ڈرتے ہوں
اور عبادت خدا کی کرتے ہوں
نفس پر اختیار رکھتے ہوں
صحبتِ بد سے دور رہتے ہوں
باصفا جو بزرگ ایسے ہیں
ان کا ہم احترام کرتے ہیں

☆☆

لوگ تقدیر کے قائل ہیں، مگر کہتے ہیں
ہم کو تدبیر و عمل کا ہی صلہ ملتا ہے
ہاں! مگر صرف عمل ہی سے ہر اک چیز ملے
پھر تو تقدیر کی، قسمت کی ضرورت کیا ہے؟
اصل میں جوشِ عمل سب سے اہم ہوتا ہے
سرنگوں ہوتی ہے تقدیر بھی جس کے آگے

☆☆

آدمی ہے کسی بچے کی طرح سے معصوم
اور کبھی جوشش جذبات سے بھرپور جواں
بعض حالات میں اک مفلس و محتاج ہے وہ
اور کبھی منعم و خوش حال ہوا کرتا ہے
اک اداکار ہے جو عمر کے ڈھلتے ڈھلتے
شکن آلود بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے
آخرش موت کی وادی میں وہ کھو جاتا ہے
پردہ گر جاتا ہے اور کھیل بکھر جاتا ہے

☆☆

آدمی کو کیا ضرورت
مذہبی ساری کتابیں یاد کرنے اور پڑھنے کی
اور پند و موعظت کی، موٹی موٹی ان کتابوں کی
اور ادا کرنے کی مذہب کی یہ گوناگوں رسوم
اس تمنا میں کہ جنت پا سکے؟
جب کہ ان سب کا تقابل روزِ محشر سے کریں
سارے دنیاوی مصائب
ختم ہو جائیں گے
اور انسانوں کی روحیں،
رحمتوں سے ہو سکیں گی ہمکنار
تو یہ سب چیزیں ہیں سامانِ تجارت کی مثال

☆☆

یہ جوانی مسکنِ جذباتِ عشق
درد کے کتنے جہنم اس میں ہیں
یہ غلط فہمی کے پھل کا بیج ہے
ماہتابِ علم پر چھایا ہوا بادل ہے یہ

نفس کا سچا رفیق،

معصیت کا دوست ہے

مرد کا دورِ شباب

ساری دنیا میں کوئی جنگل نہیں

جس میں گلہائے معاصی کا شمار

اس چمن زارِ جوانی سے زیادہ ہو

قارئین کو اس کتاب کے مطالعے کے بعد اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر دلوی نہ تھکنے والے محقق اور اعلیٰ پایہ کے عالم ہیں اور نہ ہی ان کی قابلیت اپنے اندر بڑی وسعت رکھتی ہے۔ وہ اپنے کام میں اس شدت سے غرق ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنی تخلیقی صلاحیت کے لئے ۹۰ فیصد محنت و پسینہ بہاتے ہیں اور ۱۰ فیصد اپنی تخلیقی صلاحیت سے کام لیتے ہیں۔ میں انہیں ان کے ادبی خزانوں کے تحائف کے لئے جو وہ ہمیں یکے بعد دیگرے دیا کرتے ہیں اس دعا کے ساتھ سلام کرتا ہوں کہ

''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

رفیق زکریا

ممبئی

۱۵ر جون ۲۰۰۴ء

دیباچہ

پیشِ نظر کتاب ہندوستان کے عظیم سنسکرت زبان کے شاعر بھرتری ہری کی زندگی اور شاعری پر ایک مستند اور مکمل دستاویز ہے۔ اس میں وسیع تاریخی اور ادبی مطالعے کے ساتھ نظموں کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ جو ہر اعتبار سے قابلِ ستائش ہے۔ بس ایک کمی یہ ہے کہ یہ شاعری براہ راست سنسکرت سے اردو میں منتقل نہیں ہوئی ہے۔ اس کے لئے انگریزی ترجموں سے استفادہ ناگزیر تھا، پھر بھی اصل شاعری کا جوہر باقی ہے اور اقبال کی زبان میں پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کاٹنے کی صلاحیت موجود ہے۔

اس سے پہلے بھرتری کی نظموں کے انتخابات شائع ہوتے رہے ہیں لیکن اتنی بھرپور کتاب پہلی بار آئی ہے جس کے مصنف، مؤلف اور مترجم پروفیسر عبدالستار دلوی ہیں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ایک اعلیٰ درجے کے استاد، محقق اور ماہرِ لسانیات کی حیثیت سے انہوں نے اپنی ساری عمر علم و ادب کے سیکھنے اور سکھانے میں گزاری۔ ان کے قلم سے نکلنے والی یہ کتاب ایک نادر تحفہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ایک بڑے حلقے میں مقبول ہوگی۔

بمبئی، ۵ر فروری ۱۹۹۸ء

[signature]

مقدمہ

سنسکرت زبان وادب کا پس منظر

ساری دنیا میں ایک ''الہامی'' ادب کی حیثیت سے سنسکرت کا اپنا ایک الگ مرتبہ ہے۔ عالمی سطح پر مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں نے بھی اس کے ''تقدس'' کو ذہنی طور پر تسلیم کیا ہے۔ سنسکرت کے عالمی شہرت یافتہ ماہرین صرف ونحو پانِنی، (Panini)، کٹیّاں اور پاتنجل وغیرہ نے اس زبان کو اس کے موجودہ نام سنسکرت سے موسوم کیا ہے۔ اس سے قبل بولی جانے والی زبانیں اصول قواعد سے نابلد تھیں اور ان میں نثر ونظم کی تخصیص بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ موجودہ سنسکرت زبان وادب کو صنائع و بدائع سے آراستہ وپیراستہ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی قدیم سادگی و بے ساختگی اور فطری حسن معدوم ہوتا گیا۔ البتہ ان اوصاف کی ایک جھلک والمیک، ویاس اور کالیداس کے یہاں ملتی ہے۔

سنسکرت زبان وادب کا یہ عہدِ جدید والمیک اور ویاس سے شروع ہوتا ہے۔ پانِنی نے اس کے لئے قواعد کے اصول وضوابط مرتب کئے اور بھرت منی نے مختلف موضوعات پر کئی رسائل ترتیب دیئے جو آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ راہ بنے۔

سنسکرت ادب کو چھ مذہبی اور چار غیر مذہبی اجزاء میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے مذہبی اجزاء سروتی، اسمرتی، اتہاس، پران، آگم اور مدشن (فلسفہ) سے موسوم کئے جاسکتے ہیں اور غیر مذہبی اجزاء میں سبھاشت، (پر تکلف) کاویہ (نظم) ناٹک اور النکار شامل ہیں۔

سنسکرت کا ویدک دور پانچ ہزار سال قبل مسیح یا اس سے بھی پہلے شروع ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ سے چند صدی قبل تک جاری رہا اور اس کے بعد اس زبان کا کلاسیکی دور شروع ہوا۔ وید چار ہیں۔

۱-رگ وید ۲- یجروید ۳-سام وید ۴-اتھروید

مؤخرالذکر کا انکشاف ایک طویل عرصہ کے بعد ہوا ہے۔ رگ وید کو ۲۱ رطبقات میں یجروید کو ۱۰۹ رطبقات میں، سام وید کو ۱۰۰۰ رطبقات میں اور اتھروید کو ۵۰ طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اتھر وید کو ابھی مکمل طور پر مجتمع نہیں کیا جا سکا ہے۔ لیکن یہ علم الادویات، فن تیر اندازی اور بعض تکنیکی علوم کا ایک زبردست ماخذ ہے۔ رگ وید میں مندرج بھجن، یجروید میں اس انداز سے دہرائے گئے ہیں کہ ان کو عبادت اور قربانیوں کے مختلف مواقع پر کس شکل میں پڑھا جائے اور سام وید میں ان کو موسیقی سے سنوارا گیا ہے۔

چاروں ویدوں کے الگ الگ اُپنشد ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ۱۱۸۰ گیارہ سو اسّی ہے۔ ویدوں کی نثری تفسیر کو براہمنا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جن میں مختلف عبادتوں کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ ویدوں کی یہی نثری تفسیر شاید دنیا کی سب سے پہلی نثری تخلیقات میں شمار کی جاتی ہے۔

چاروں ویدوں کو چار مختلف حصوں (۱) منتر سنہت (مجموعہ وظائف)، (۲) براہمنا (۳) اوانیک اور (۴) اُپنشد میں بانٹا گیا ہے۔ جو ویدک سماج کے چار مختلف آشرموں (۱) برہمچاریہ (تجرد) گرہستیہ (تاہل) (۳) وان پرستھ (تصوف) اور (۴) سنیاس (رہبانیت) سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں مجموعہ وظائف ان منظوم دعاؤں اور گیتوں پر مشتمل ہے جو مختلف دیوی دیوتاؤں کی پوجا کے وقت پڑھے یا گائے جاتے ہیں۔

براہمنا میں ان دعاؤں اور گیتوں کے معنی و مطالب اور ان کا طریقہ استعمال نثر میں سمجھایا گیا ہے۔

ویدوں سے متعلق چار اُپ وید (ذیل میں بھی ہیں) (۱) آیوروید (علم الادویہ) جس کا تعلق رگ وید سے ہے (۲) دھنر وید (فن تیر اندازی) جو یجروید سے متعلق ہے۔ (۳) گندھرووید (علم موسیقی سے متعلق بہ سام وید (۴) استھاپنیہ وید (علم الاشیاء) یا مشینی علوم۔ جس کا تعلق اتھر وید سے ہے۔

ویدوں کے چھ ضمیمے بھی ہیں۔ (۱) شکشا (صوتیات) (۲) ویاکرن (علم القواعد) (۳) چھند (علم العروض) (۴) نروکتی (تفسیرات) (۵) جیوتش (علم نجوم) (۶) کلپ (علم الاقلیدس)

اسمرتیوں کی تعداد اٹھارہ ہے۔ جن میں سے اہم اسمرتیاں منو۔ یگ دلک اور باراشر ہیں۔ جنہیں خصوصی طور پر کلجگ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اسمرتیوں کی اہمیت ویدوں کے بعد دوسرے مقام پر مانی جاتی ہے۔ اور ان میں ویدوں کے اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

اتہاس رزمیہ واقعات پر مشتمل ہے۔ اگر وہ واقعات الہامی ہیں تو ان کو اتہاس کے قابلِ احترام نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ غیر مذہبی یا کلاسیکی ہیں تو انہیں کاویہ کہا جاتا ہے۔

اول الذکر کو آ کھیان یا پران بھی کہا جاتا ہے۔ مہا بھارت پُران اور اُپ پُران وغیرہ تخلیقات اس قبیل میں آتی ہیں۔ رامائن بھی (اگر چہ یہ ایک الہامی کتاب مانی جاتی ہے) آئندہ نسل کے شاعروں مثلاً کالیداس بھاروں اور ماگھ وغیرہ کے لئے مشعلِ راہ بنی۔

زیادہ تر اپنشد بز نے ساگر پریس بمبئی نے شائع کئے ہیں۔ جن کی تعداد ۱۰۸ رہے۔ ان میں صرف دس اُپنشدوں کا تعلق دورِ قدیم سے ہے۔ ان کو علم فلسفہ کی بنیاد اور ماخذ خیال کیا جاتا ہے۔

پانچواں جزو جس کو آ گم کہا جاتا ہے۔ مندروں میں کی جانے والی عبادتوں سے متعلق ہے۔ ان کا شمار ادب میں نہیں کیا جا سکتا۔

درشن کا تعلق آدابِ فلسفہ سے ہے۔ جن میں ویدانت کو اوّلیت حاصل ہے۔ اُپنشدوں کے بعد سوتروں کا دور شروع ہوتا ہے۔ جس کا نقطہ آغاز ایک ہزار سال قبل مسیح مانا جاتا ہے۔ موریہ خاندان کے مشہور وزیر با پیر کوٹلیہ نے بھی اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ارتھ شاستر اسی دور میں لکھی تھی۔ اس کے بعد مختلف فلسفی مثلاً منو، یکیہ رنک، وشنو، نارد، برہستی، کٹیان اور شکر وغیرہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے۔ ان کے بعد بالمیک اور پانِنی کے ساتھ سنسکرت زبان وادب کا کلاسیکی دور شروع ہوا۔

اس دور میں بھرت منی پیدا ہوئے تھے۔ جن کی کتاب ''ناٹیہ شاستر'' دنیا میں ادبی تنقید کی پہلی مثال سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے ڈرامہ کو ادب کی بہترین صنف قرار دیا ہے اور اس کی کئی قسمیں مثلاً ناٹک، روپک اور اُپ روپک وغیرہ قرار دی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ڈرامے کی یہ شکلیں اس زمانے میں عروج پر تھیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں تین فنونِ لطیفہ یعنی موسیقی، رقص، اور اداکاری کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ان کو ادب سے متعلق بتایا ہے۔ اور آگے چل کر ہندوستان کے کئی مشہور مصنفین نے بھی اس نظریئے کی تائید کی تھی۔

اسی طرح بالمیک، پانِنی، اور بھرت منی کو سنسکرت کے کلاسیکی دور کا باوا آدم قرار دیا جاتا ہے۔ اور ان کے بعد سنسکرت ادب کے مطلع پر ویاس، بھاس، کالیداس، پاتنجلی اور شری شنکر بھگوت پاڑ او غیرہ کا سورج طلوع ہوا۔

ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں بعض پُرانوں کو ویاس کی مشہور رزمیہ نظم کی شکل میں دوبارہ لکھا گیا۔ اس کے بعد کالیداس کے انداز میں بے شمار رزمیہ (شاعری) نظمیں لکھی گئیں۔ بنگال اور کیرالا میں بھی کالیداس کا تتبع کیا گیا۔ ان شعری تخلیقات کے علاوہ نثر میں بھی بے شمار داستانیں اور دیگر تخلیقات سنسکرت ادب میں موجود ہیں۔ جن میں فلسفہ اور ادبی تنقید بھی شامل

ہیں۔ان تخلیقات کو ساری دنیا میں ابتدائی ادب کی صف میں شمار کیا جا سکتا ہے۔گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں
کہ سنسکرت کے ابتدائی ادب میں ریاضی، نجوم، علم کیمیا، حیوانیات، علم القواعد، علم الادویہ، فن تیر
اندازی، یونانی جیسے علوم کی نمائندگی بھی صنف نظم کی شکل میں بڑے خوبصورت انداز میں کی گئی تھی۔
حتیٰ کہ علم لغت جیسے خشک مضمون کو بھی شعری تخلیقات کی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔تاکہ انہیں آسانی
سے یاد کیا جا سکے۔جبکہ یہ چیز دنیا کے دیگر ادبیات میں نایاب ہے۔سنسکرت ادب میں علم قانون کی جو
تخلیقات پیش کی گئیں۔ان میں مذہب، جمالیات، فلسفہ اور سماجی آداب کا بھی خوشگوار امتزاج پایا
جاتا ہے۔اور وہ بھی نظم کی شکل میں ہی پیش کیا گیا ہے۔

ہمارا یہ عظیم الشان ملک عہد قدیم کے ایک راجہ بھرت کے نام پر بھارت ورش یا بھارت کھنڈ
کہلایا۔جب یونانی اس ملک میں آئے تو انہوں نے اس کو انڈیا کا نام دیا۔اور دریائے سندھ کو انڈس
کے نام سے موسوم کیا۔فارسی زبان میں ''سندھ'' کی شکل بگڑ کر ہند بن گئی۔اہلِ فارس نے اس ملک کو
ہندوستان کا نام دیا۔سنسکرت کی رزمیہ نظموں میں اس ملک کو آریہ ورت کہا گیا ہے۔

ویدک دور کے بعد سنسکرت ادب کا کلاسیکی دور شروع ہوا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کا ذہن
مذہب سے ہٹ کر ادب کی جانب رجوع ہونے لگا تھا۔تاہم کلاسیکی دور کے ادب میں بھی ویدوں اور
اپنشدوں کی اخلاقیات کے اثرات پائے جاتے ہیں۔مذہبی اعتبار سے بھی عوام ویدک مذہب کو چھوڑ
کر پرانوں کے مذہب پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔اور پرانے ویدک دیوتاؤں کو چھوڑ کر برہما، وشنو اور شیو
کی پوجا ہونے لگی تھی۔بعد میں برہما کی اہمیت کم ہو کر صرف وشنو اور شیو ہی عوام کی عقیدت کا مرکز بن
گئے تھے۔

مذہب میں نظریہ تناسخ کی ابتداء اسی دور میں ہوئی۔کیونکہ زندگی کے بارے میں قنوطیت
پسندی کا دور شروع ہو گیا تھا۔چنانچہ کلاسیکی ادب ویدک ادب کے مقابلے میں یکسر مختلف انداز کا
حامل بن گیا۔پرانی تخلیقات کو نئی روشنی میں لکھا گیا۔جن کے نمونے رامائن اور مہابھارت کی شکل میں
ہمارے سامنے موجود ہیں۔چنانچہ بھرت کی رزمیہ نظم کو آج بھی وید کا قائم مقام مانا جاتا ہے اور رامائن
کو دھرم شاستر کہا جاتا ہے۔

رزمیہ ادب کی خصوصی شاخیں اتہاس (تاریخ) اور کاوّیہ (گیت اور نظم) ہیں۔مہابھارت
پُران اور اُپ پُران تاریخ کی ذیل میں آتے ہیں۔اور رامائن ایک قدیم ترین کاویہ ہے۔

مہابھارت

ساری دنیا کی ادبی تاریخ میں یہ ایک طویل ترین نظم ہے۔ اس کو اٹھارہ جلدوں میں لکھا گیا ہے۔ اور ہری ونش نام کی انیسویں جلد ایک ضمیمے کے طور پر اس میں شامل ہے۔ خیال ہے کہ یہ تخلیق تین مرتبہ نظر ثانی اور تصحیح کے مراحل سے گزری ہے۔ سب سے پہلے اس کا نام ''جے'' یا فتح تھا۔

مغربی نقادوں کا خیال ہے کہ اس کا مصنف وید ویاس تھا۔ اور اس میں کل ۸۸۰۰ اشلوک شامل تھے۔ ہندوستانی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کتاب ۳۲۰۰ قبل مسیح میں لکھی گئی۔ لیکن جدید تاریخی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ اس کا سنہ تصنیف دسویں صدی قبل مسیح ہے۔ میکڈانل کا خیال ہے کہ اس رزمیہ نظم میں ایک چھوٹی سی قبائلی جنگ کا ذکر کیا گیا تھا۔ جو دو چھوٹی چھوٹی حکومتوں کرو اور پنچال کے درمیان ہوئی تھی۔ اور در یودھن حکومت کا جائز وارث تھا۔ اور پانڈوؤں نے اقتدار کی طمع میں یہ جنگ کی تھی۔

لیکن اس کتاب کی دوسری شکل کے مصنف ویسمپائن نے جو خود کو ویاس کا شاگرد بتاتا ہے۔ مذکورہ نظریے سے اختلاف کر کے اس کو ایک نئی شکل دے دی اور ۲۴۰۰۰ چوبیس ہزار اشلوکوں پر مشتمل ایک نئی کہانی تخلیق کر ڈالی۔ اس نے شمالی ہند کے سارے راجاؤں کو اس جنگ میں شریک دکھایا ہے۔ اس طرح نظر ثانی کر کے اس نے اس کا نام ''بھارت'' رکھا۔

اس تخلیق کی مذکورہ دونوں ابتدائی شکلوں میں برہما کو سب سے بڑا دیوتا بتایا گیا ہے۔ خیال ہے کہ اس تخلیق پر پہلی مرتبہ نظرِ ثانی پانچویں صدی قبل مسیح میں کی گئی اور دورِ عیسوی کی ابتداء میں اس پر ایک بار پھر نظرِ ثانی کر کے اس کو ''مہابھارت'' کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس میں تقریباً ایک لاکھ اشلوک جمع کئے گئے۔ اس میں فلسفہ اور اخلاقیات پر طویل نظمیں شامل کر کے اس کو ہر لحاظ سے ٹھیک مکمل مذہبی صحیفہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ مہابھارت کی تیسری شکل میں برہما کی اہمیت کو کم کر کے کرشن کو اوتار کی شکل میں ابھارا گیا۔ بدھ مذہب کے فروغ سے قبل بھاگوت گیتا ہندو مذہب کے حلقوں میں بہت زیادہ مقبول تھی۔ اور آج بھی وہ مذہب کا ایک حصہ ہے۔ قبل مسیح دور کی آخری صدیوں میں مہابھارت کی تصنیف ہوئی تھی۔ اس کے بعد مختلف مواقع پر اس میں بہت سے اضافے کئے جاتے رہے اور چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی تک یہ اپنی موجودہ شکل میں آ گئی تھی۔

بہرحال مہابھارت اپنی شکل میں علم و دانش کا ایک مکمل صحیفہ ہے۔ جس میں نہ صرف قدیم دور کی مکمل تاریخ بلکہ اس زمانے کی سیاسی، معاشرتی اور مذہبی زندگی کی مکمل تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ انسانی

اخلاق حسنہ اور جبلّیات خبیثہ کی عکاسی اس میں بڑے خوبصورت انداز سے کی گئی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی زندگی افضل وارذل سطح کے انسانوں کے درمیان ایک مفاہمت کا نام ہے اور ذمہ دار شخصیتوں میں سے بہت کم لوگ اپنے فرض کا احساس رکھتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کے بے شمار پند و نصائح اس کتاب میں شامل ہیں۔

بھگوت گیتا

بھاگوت گیتا حالانکہ مہابھارت کے ہی بعض ابواب کا ایک جزو ہے۔ لیکن ہندو نظریات کے مطابق اس کو ہندو فلسفہ کا منبع اور سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے اور اس کو زندگی کے چار اعلیٰ مقاصد کی تفہیم کے لئے معاون سمجھا جاتا ہے۔ اس کو سارے اپنشدوں کا نچوڑ اور تلخیص مانا گیا ہے۔ اسے ہندو فلسفہ کی روح کہیئے۔ اس کا سن تصنیف پانچویں صدی قبل مسیح ہے۔ بھاگوت گیتا عام طور پر یہ تعلیم دیتی ہے کہ ترکِ دنیا اور نفس کشی کے لئے بھی عمل کی ضرورت ہے۔ اور عمل کے لئے نفس کشی لازم ہے۔

ہری ونش

حیرت کی بات ہے کہ مہابھارت میں کرشن کا ذکر اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ پانڈوؤں کے دوست اور ہمدرد بن کر سامنے آتے ہیں اور آخر تک ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس خامی کو دور کرنے کے لئے مہابھارت کے ضمیمے کے طور پر ہری ونش کی تصنیف عمل میں لائی گئی۔ اس کو مہابھارت کی تصنیف کے کافی عرصہ بعد لکھا گیا۔ اس میں ۱۶۳۷۴ اشعار ہیں۔ اس کو اوّلین پُران بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ پوری تصنیف تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ خیال ہے کہ اس کو جنوبی ہندوستان میں لکھا گیا تھا۔

کسی بھی زبان کے ادب کی عظمت اسی میں ہے کہ وہ عام انسانی احساسات اور میلانات سے میل کھاتا ہو۔ اور اخوت انسانی کی تعلیم دیتا ہو۔ سنسکرت کی دونوں رزمیہ نظمیں رامائن اور مہابھارت اس معیار پر کماحقہٗ پوری اترتی ہیں۔ اور گذشتہ تقریباً تین ہزار سال سے ہندو قوم کے لئے مشعلِ راہ بنی ہوئی ہیں۔

پُران

ہندو مذہب اور سنسکرت ادب میں پُران نام کی کتابیں بھی زبردست اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کی تعداد اٹھارہ ہے۔ مختلف ذرائع سے ملنے والی فہرستوں میں ان کے ناموں کا اختلاف پایا جاتا

ہے۔لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ ان کی تعداد اٹھارہ ہے۔ان کتابوں کی تصنیف عیسوی دور کی ابتداء سے لے کر سولہویں صدی تک ہوتی ہے۔جدید ہندو تہذیب کی تعمیر میں ان کتابوں نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

ان اٹھارہ پُرانوں میں سے دس کو مہاپُران کہا جاتا ہے۔جن میں بھاگوت گیتا بھی شامل ہے۔

ویدوں کی موجودگی میں پرانوں کی تصنیف کا خیال اس لئے پیدا ہوا کہ ویدوں کی تعلیم ایک حد تک سماج کے صرف ایک طبقے کے لئے محدود تھی۔اور ان کی بتائی ہوئی عبادتوں کے علاوہ عبادتیں اور قربانیاں بھی سہل العمل اور ان کا اجر سہل الحصول نہیں تھا۔چنانچہ پرانوں کی تصنیف اس انداز میں کی گئی کہ وہ سارے ہندو سماج کے لئے قابل قبول زندگی کا نمونہ پیش کر سکے۔ان میں زندگی کے مختلف پہلوؤں اور شعبہ جات کے بارے میں واضح احکامات اور ہدایات درج کی گئی ہیں۔ویدوں کی زبان خاص طور پر اہلِ علم کے لئے لکھی گئی تھی۔کم پڑھے لکھے لوگ اس سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔پرانوں میں یہ نقص دور کر دیا گیا۔

پرانوں کے بعد اُپ پرانوں کی تصنیف عمل میں آئی۔سماج کے مختلف طبقات اور فرقوں کی ضروریات کے تحت الگ الگ اُپ پران تصنیف کر لئے گئے۔

رامائن

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ رامائن، مہابھارت کے بعد کی تخلیق ہے۔لیکن عام حالات کے پیشِ نظر اس میں کوئی شک نہیں کہ رامائن مہابھارت سے پہلے لکھی گئی تھی۔کیونکہ مہابھارت میں رامائن کے کرداروں کا ذکر آیا ہے۔جبکہ رامائن میں مہابھارت کے کسی کردار کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔اس کے علاوہ اس بات کی تائید میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رامائن میں ان اخلاقیات کی نفی کی گئی ہے جن کا ذکر مہابھارت میں آیا ہے۔اور اس دعوے کی دلیل بھی پیش کی گئی ہے۔رامائن میں ستی کے کسی واقعہ کا ذکر نہیں آیا ہے اور نہ ہی اس رسم کا ذکر ہے جس کی حمایت مہابھارت میں کی گئی ہے۔اور جس کے تحت ایک بے اولاد بیوہ عورت اپنے متوفی شوہر کے بھائیوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر سکتی تھی تا کہ اس خاندان کو ایک بیٹا دے سکے۔اس کے علاوہ دونوں تخلیقات میں واقعات کی نوعیت میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔

مہابھارت مغربی ہندوستان سے تعلق رکھتی ہے اور رامائن کا تعلق مشرقی ہندوستان سے

ہے۔ بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ رامائن کی تخلیق گوتم بدھ سے پہلے ہوئی تھی۔ لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ رامائن مہاتما گوتم بدھ کے فلسفے سے براہ راست متاثر ہوئی ہے۔ اس کی تخلیق اس وقت ہوئی ہے جبکہ مشرقی ہندوستان میں بدھ مذہب پھیل چکا تھا۔ نیز یہ کہ اس میں عروض کے بھی وہی آداب اپنائے گئے ہیں جو بدھ فلسفہ سے متعلق پالی شاعری میں استعمال کئے گئے ہیں۔

رامائن کی تخلیق کے وقت فن تحریر وجود میں نہیں آیا تھا۔ اس کے سارے واقعات کی تفصیل رام کے بیٹوں "لَو" اور "کُش" کے ذریعہ عوام تک پہونچی تھیں۔ اور اس کے بعد سینہ بہ سینہ کئی پشتوں تک منتقل ہوتی رہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رامائن کا متن تین مختلف شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ جو بیک وقت بمبئی، بنگال، اور شمالی مغربی ہندوستان میں رائج ہے۔ جن میں سے بمبئی کا متن اصل واقعات سے قریب ترین ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ رامائن کا اصل مصنف والمیک رام چندر کے بیٹے کُش کی اولاد میں سے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس خاندانی ورثہ کو سپرد قلم کر کے ایک بہت بڑے فریضے کی تکمیل کر دی۔ اس کتاب کی تصنیف میں انہوں نے رزمیہ نظموں اور تخلیقات سے بھی مدد لی۔ جو ان کے زمانے میں رام چندر کے بارے میں زبان زد خاص و عام تھیں۔

مختلف یوروپی، مستشرقین اور ہندوستانی علماء نے رامائن کی پوری کہانی کی مختلف تاویلیں پیش کی ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ نکالنا فطری ہو جاتا ہے کہ رامائن کے واقعات حقیقی نہیں ہیں۔ بلکہ ایک مفروضہ کہانی ہے۔ جس کی مختلف تاویلیں پیش کر کے اس کو ایک فلسفیانہ رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مختصراً یہ کہ رامائن بجائے خود آریہ قوم کے عروج و زوال اور اس کے مختلف مراحل سے گزرنے کی ایک کہانی ہے۔ اور آریوں کی تاریخ کے مختلف واقعات کو چند نمائندہ کردار کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مثلاً سیتا کا کردار بعض مستشرقین کی نظر میں قطعی فرضی ہے۔ سیتا کا مولد ایک ہل چلاتے ہوئے کھیت کو بتایا گیا ہے۔ جس سے قیاس اغلب یہی ہے کہ سیتا کے وجود سے کاشتکاری کا پیشہ مراد لیا گیا ہے۔ جس کو آریہ قوم نے ہندوستان جیسے زرخیز ملک میں آ کر اپنایا تھا۔ رام کے ساتھ سیتا کی شادی ہونا اسی جانب ایک اشارہ ہے۔ نیز ہندوستان کے مقامی باشندوں اور دیوزادوں نے آریوں کی ہر مقام پر مدد کی تھی۔ جن کو رامائن میں بندروں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ خیال ہے کہ سیتا کے لنکا لے جائے جانے اور رام چندر جی کے ان کی تلاش میں وہاں تک پہنچنے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ آریوں نے کاشتکاری کے پیشے کو جنوبی ہند خصوصاً لنکا تک پھیلا دیا۔

رگ وید میں بیان کیئے ہوئے ایک واقعہ کے مطابق اندریارام نے خشک سالی کے دیو (راون) سے جنگ کر کے بارش (سیتا) کو رہائی دلائی تھی۔ تاکہ زمین کو زرخیزی بخشی جائے۔ بہرحال جدید ترین تحقیق کے نتیجہ میں یہ حقائق قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں کہ رامائن ایک افسانہ یا منظوم ناول ہونے کے بجائے صرف ایک تمثیلی داستان ہے۔ اور دورِ ایام کی نذر ہو کر مختلف تحریفات و تصریفات۔ سے گزرنے کے بعد اس کی اصل ہیئت کچھ سے کچھ ہو گئی ہے۔

والمیکی کی فنی صلاحیتیں:

والمیک کا اندازِ تحریر سنسکرت کے کلاسیکی ادب میں ایک زبردست معیار کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے ایک منفرد اندازِ نگارش کی بناڈالی۔ جس کا تتبع بعد میں کالیداس اور دیگر مصنفین نے کیا ہے۔ خود کالیداس نے اپنی تحریروں میں والمیک کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ والمیک کے یہاں تشبیہات و استعارات کی بھرمار ہے اور منظر نگاری کے شاندار نمونے ان کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں۔

والمیک نے رامائن کو ایک دھرم شاستر بنا کر پیش کرنے کے لئے اس کو مختلف معنوی اور صوری خوبیوں سے آراستہ کیا۔ تاکہ عوام کی عقیدتیں اس کے لئے متزلزل نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ آج بھی رامائن کو ہندو مذہب میں ایک عظیم مذہبی صحیفہ کی حیثیت حاصل ہے۔ جس میں مذہب اخلاقیات اور ادب تینوں عناصر کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رامائن ایک المیہ داستان ہونے کے باوجود عوام کی توجہ کا زبردست مرکز بن کر رہ گئی ہے۔ حتیٰ کہ تلسی داس نے اودھی زبان میں اس کا جو ترجمہ "رام چرت مانس" کے نام سے کیا ہے اسے بھی شمالی ہندوستان کے ہندوؤں میں ایک وید کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ اور جن زبانوں میں اس کے تراجم پیش کئے گئے ہیں۔ وہاں بھی وہ عوام کی عقیدتوں کا مرکز بن گئے ہیں۔

یہ بات آج تک طے نہ ہو سکی کہ کالیداس کا دورِ حیات کیا تھا؟ مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ کالیداس گپت خاندان کے چندر گپت دوئم کے عہد میں یعنی چوتھی اور پانچویں صدی میں گزرے ہیں۔ لیکن ہندوستانی علماء کے خیال کے مطابق ان کا عہد پہلی یا دوسری صدی عیسوی میں ہوا ہے۔

اسی طرح کالیداس کے پیشرو تخلیق کاروں کے دور اور مدت حیات کے بارے میں ابھی تک کوئی مسلمہ اور طے شدہ حقائق حاصل نہیں ہو سکے ہیں۔ ان میں سے چند نام جن کی تخلیقات دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہیں۔ مندرجہ ذیل میں شری شنکر، والمیک، ویدانت دیسیکا، ویدویاس، بھاسا،

پانجلی، منو، گھاٹ کرپارا، چور، اشوگھوش، بھاراوی، ماگھ، ڈانڈن، بان، بھوبھوتی، یا شری کانت یا امبیکا، کناد، یا اُلوک، گوتم، یا اکسا پاڑہ، کوٹلیہ وغیرہ۔

لیکن ان لوگوں کے حالاتِ زندگی پر ایک ایسا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے کہ ان کے ناموں کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کے قلمی نام تھے یا ان کی عرفیت۔

دراصل سنسکرت کے کلاسیکی ادب کے دور میں تاریخ کے ڈانڈے کچھ اس قدر غیر مربوط ہیں کہ ایک نام کی مختلف شخصیتوں کے درمیان خطِ تمیز کھینچنا مشکل ہوگیا ہے۔ مثلاً اجین کے راجہ بھوج کے دربار سے جس کالیداس کا تعلق بتایا جاتا ہے۔ وہ ہمارا زیرِ بحث کالیداس نہیں ہے۔ حالانکہ راج بھون کا درباری کالیداس بھی ایک عظیم تر صلاحیتوں کا مالک ادیب اور شاعر تھا۔ یہاں تک کہ اس حقیقت سے بھی مکمل طور پر پردہ نہیں اٹھ سکا ہے کہ آیا یہ دونوں شخصیتیں ایک ہی تھیں۔ بہر حال اس سلسلہ میں صرف فیصل یہ ہے کہ راجہ بھوج کا کالیداس چودھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اور شکنتلا کا مصنف کالیداس کے ساتھ اس کا موازنہ کئے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شکنتلا کا کالیداس سنسکرت ادب میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض ایسے حقائق کا انکشاف بھی ہوا ہے۔ جن کے تحت بعض غیر معروف کم سواد شعراء اور مصنفین نے اپنی تخلیقات کو کسی مشہور اور محترم ادیب کے نام سے پیش کر دیا ہے۔ اس طرح مختلف ادیبوں کی تخلیقات اس طرح خلط ملط ہوگئی ہیں کہ ادب کی صحیح راہ کا تعین دشوار ہو گیا ہے۔ اور اس طریقہ سے سب سے زیادہ نقصان کالیداس اور شری شنکر کو پہنچا ہے۔ لیکن ناقدین ادب نے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ اس دلدل سے دُر ہائے آبدار اور گوہر ہائے تابندہ کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔ اور اس طرح کم سواد ادیبوں کی تخلیقات کو یک قلم رد کر دیا ہے۔

کالیداس اور ان کا عہد:

دورِ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ہندوستان کی تاریخ پر شکوک اور لاعلمی کے اتنے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں کہ اس دور کے کسی واقعہ کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا عہد وقوع کیا تھا۔ جزئیات سے قطع نظر کسی واقعے کے متعلق موٹے موٹے حقائق کا تعین بھی پورے یقین کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ کالیداس کب پیدا ہوئے ان کا عہد یا زمانہ کون سا تھا؟ اور ان کی مایہ ناز تخلیقات کس دور میں اور کن حالات میں منظرِ عام پر آئیں۔ اس سلسلہ میں تاریخ دانوں اور محققین ادب کی جانب سے کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا ہے۔ اپنے اپنے وسائل اور ذرائع

کی مدد سے جس کو جتنے حالات وحقائق فراہم ہو سکے۔ انہیں کی روشنی میں اس نے کالیداس کے عہد کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ کسی محقق نے بتایا ہے کہ کالیداس پہلی صدی عیسوی میں گزرے ہیں اور کسی نے دوسری صدی عیسوی کو ان کا عہد بتایا ہے۔ کسی نے اپنی تحقیق کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کالیداس چوتھی صدی عیسوی میں پیدا ہوئے تھے۔ اور کسی نے بتایا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان کی ادبی فضاؤں میں کالیداس کا طوطی بول رہا تھا۔

کالیداس کے بارے میں سب سے زیادہ الجھی ہوئی ایک بات یہ ہے کہ ایک تاریخی اور مسلمہ حقیقت کے مطابق کالیداس راجہ وکرمادتیہ کے عہد میں ہوئے ہیں۔ اور اسکے دربار سے منسلک رہے ہیں۔ لیکن ایک بہت بڑی دشواری یہ ہے کہ اس وقت کی ہندوستانی تاریخ میں کم از کم پانچ راجہ ایسے گزرے ہیں جن کا لقب وکرمادتیہ تھا۔ ان سب کے اپنے ذاتی نام الگ الگ تھے۔ ان راجاؤں نے اپنی ذاتی عظمت، جاہ وجلال اور دبدبے کا اظہار کرنے کے لئے وکرمادتیہ کا لقب اختیار کرلیا تھا۔ چنانچہ اس روشنی میں کالیداس کے حالات وقت کی بھول بھلیّوں میں میں خلط ملط ہوکر رہ جاتے ہیں۔ وکرمادتیہ لقب کے حامل راجاؤں میں سے زیادہ تر واقعی مذکورہ بالا صدیوں میں گزرے ہیں۔ اور تقریباً ہر ایک کے ساتھ ایک دیوزادقسم کی ادبی شخصیت کا تعلق بھی پایا گیا ہے۔ جس پر کالیداس کا اطلاق ہوجانا عین ممکن نظر آتا ہے۔ لیکن مرور ایام کے ساتھ سنسکرت ادب کی معنوی اور صوری ہیئتوں میں اتنے زبردست انقلابات آئے ہیں کہ ان کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کالیداس کے فن کا جائزہ لیا جائے تو وہ مختلف صدیوں کے ادبی اوصاف کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا اور آخر میں سارے ظن وتخمین کے نتائج سے مایوس ہوجانے کے بعد جب ہم اس مفروضے پر آتے ہیں کہ کالیداس کا عہد پہلی صدی یا دوسری صدی عیسوی میں گزرا ہے تو انتہا کی دیدہ ریزی کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ واقعی یہ مفروضہ حقیقت پر مبنی ہے۔

کالیداس کے مشہور ناٹک شکنتلا کی واقعات نگاری کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شکنتلا میں جس ماحول اور معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے۔ وہ پوری طرح پہلی صدی عیسوی کے ہندوستانی معاشرے سے تعلق رکھتا ہے اور اسی عہد میں گپتا خاندان کا ایک جلیل القدر راجا شمالی ہندوستان میں گزرا ہے۔ اس کا نام اگنی مترتھا۔ اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد جہاں تک اس کی صحت کا تعلق ہے اس کی تصدیق ان سارے حالات سے ہوجاتی ہے۔ جن کی دھند میں کالیداس کا عہد بری طرح لپٹا ہوا ہے۔ البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اگنی متر نام کے راجہ نے وکرمادتیہ کا لقب اختیار نہیں کیا تھا۔ تو

اس سلسلے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کالیداس کا کسی وکرمادتیہ کے دربار سے منسلک ہونے کی بات بھی صرف ایک مفروضے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ایک ایسا مفروضہ جس کا کوئی ثبوت ابھی تک کہیں سے نہیں مل سکا ہے چنانچہ ہم اس مفروضہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کالیداس کے عہد کو پہلی صدی عیسوی سے دوسری صدی عیسوی تک کے زمانے میں متعین کرنے پر مجبور ہیں۔

اس نظریے کی مزید تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کالیداس کے تصنیف کردہ ڈراموں کا اندازِ نگارش اس دور کے بعض اہم مصنفین اور کچھ اس سے قبل لکھی جانے والی کتابوں، مثلاً گیتا کی تحریروں سے بہت زیادہ ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ فنی اعتبار سے کالیداس کی تحریروں میں بعض حقائق ایسے ملتے ہیں جن سے کالیداس کو اس عہد میں رکھنا مکمل طور پر قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔

کالیداس اور ان کے بعد کی تخلیقات:

کالیداس نے سنسکرت ادب کو بہت کچھ دیا ہے۔ مجموعی طور پر سنسکرت کے کلاسیکی ادب میں پانچ طویل رزمیہ نظمیں ملتی ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ دو یعنی ''رگھوونش'' اور ''کمار سمبھو'' عام فہم اور کالیداس کی تخلیق ہیں۔ اس کے علاوہ سنسکرت ادب کے تین بہترین ڈرامے جن میں شکنتلا جیسی شہرہ آفاق تخلیق بھی شامل ہے۔ اور غنائیہ نظموں کے دو عظیم الشان مجموعے کالیداس کی تصانیف میں شامل ہیں۔ ادب کا اتنا زبردست ذخیرہ کسی دوسرے شاعر یا ڈرامہ نگار نے سنسکرت ادب کو نہیں دیا ہے۔ اگر اس سے قبل کے ایک اور ڈرامہ نگار بھاس کے ۱۳ ڈراموں کو (اگر وہ سب واقعی اس کی تخلیق ہیں) شمار نہ کیا جائے۔

دراصل کالیداس کے مبلغ علم کی آفاقیت میں ان کو معراجِ شاعری کے دور میں خاصانِ ادب کی ایک علامت بتا دیا ہے۔ ان کی شاعری میں ہندوستان کی قدیم اور قابلِ فخر تہذیب کا مکمل اظہار ملتا ہے۔ ان کی تشبیہات واستعارات میں ان کے وسیع تر مشاہدے اور شاعرانہ وسیع النظری کا ثبوت ملتا ہے۔ اور ان خصوصیات کی بنا پر انہیں ہم ایک آفاقی شاعر کہہ سکتے ہیں۔

کالیداس کی تخلیق کردہ رزمیہ نظموں کو دنیا کی عظیم ترین ادبی تخلیقات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کے بعد کے ادیبوں اور شاعروں نے جو تصنیفات سنسکرت ادب کو دی ہیں وہ معیار کے اعتبار سے اتنی بلند نہیں کہی جا سکتیں۔ جتنا جتنا وقت گزرتا گیا سنسکرت ادب کی تخلیقات کا معیار گرتا چلا گیا اور ان میں گذشتہ ادیبوں کے تتبع اور پیروی کا رجحان بڑھتا گیا۔

اقبال کا ایک ممدوح : بھرتری ہری

کالیداس کے فوراً بعد کنشک خاندان کے عہد میں اشوگھوش نامی ایک برہمن ادیب گزرا ہے۔ جو ویدوں کے علوم سے پوری طرح واقف تھا۔ اس کی ایک تصنیف ''سوندر آنند'' کے نام سے ملتی ہے۔ جس میں خوبصورت نظموں کے ذریعہ ہندو مذہب کی تبلیغ کی گئی ہے۔ یہ وہ دور تھا جب بدھ مذہب کے ساتھ ہندو دھرم کی مسلسل رقابت اور عقائد کا تصادم چل رہا تھا۔ اس دور کی روایت کے مطابق اشوگھوش کی یہ تخلیق بھی ایک اساطیری داستان تھی جس میں بدھ مذہب کے کرداروں کو مرکز بنا کر ہندو مذہب کی قومیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس تخلیق میں کالیداس کے فنی رموز و نکات کی جھلکیاں جا بجا ملتی ہیں۔

اشوگھوش کی دو اور تخلیقات ''بھکن پمد اریار'' اور ''سوتر النکار'' بھی ملتی ہیں۔ مؤخر الذکر میں مہاتما بدھ کی مختلف کہانیاں نثر اور نظم میں بیان کی گئی ہیں۔ اس دور کی ایک اور تخلیق بدھ چرتر کے نام سے ملتی ہے۔ لیکن یہ زیادہ معیاری تصنیف نہیں ہے۔ کالیداس نے ویدک دھرم کو اپنی تصانیف کا موضوع بنایا تھا۔ لیکن اس کے جواب میں ''بدھ چرتر'' میں مہاتما بدھ کے فلسفے کی تبلیغ کی گئی ہے۔

جونا گڑھ گجرات میں ''گرنار پرستی'' نام کا ایک کتبہ ملتا ہے جو رور دمن کی تخلیق ہے جس میں اس دور کی پراکرت زبان کے بجائے سنسکرت میں ایک طویل نظمیہ داستان کی خوبیاں اور اوصاف ملتے ہیں۔ یعنی اس میں نثر و نظم دونوں اصناف استعمال کی گئی ہیں۔ اس کے مصنف کو ایک مغربی اسکالر کی سرپرستی حاصل تھی جو بجائے خود بھی ایک شاعر تھا۔

ہری سنیا کی ایک نظم الہ آباد کے قریب ایک مینار پر کتبے کی شکل میں ملی ہے۔ جس کو اس نے اپنے ممدوح راجہ سمدر گپت کی تعریف میں لکھا تھا۔ اس نظم میں سمدر گپت کو بھی ایک شاعر بتایا گیا ہے۔ کہ وہ واقعی ایک شاعر تھا۔

اسی زمانہ میں مندسار نام کی ایک تصنیف وتس بھٹی کی تخلیق تھی۔ جو ایک ماہرِ تعمیرات اور شاعر تھا۔ اس نے یہ تصنیف ایک تاجر کے ایما پر لکھ کر ایک پتھر پر کندہ کی تھی۔ ۴۴ / اشعار کی اس نظم میں شاعر نے موسمِ بہار اور موسم سرما کی منظر کشی کی ہے۔

چوتھی صدی عیسوی میں ایک اور بودھ شاعر بدھ گھوش نام کا گزرا ہے۔ جس نے اشوگھوش کی پیروی کرتے ہوئے مہاتما بدھ کی کہانی سادہ اور خوبصورت پیرایہ میں بیان کی ہے۔

چھٹی صدی عیسوی پر فداسین کی ایک تخلیق مہاراشٹری پراکرت زبان میں ملتی ہے۔ جس میں دریائے جہلم کے اوپر ایک پل کی تعمیر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ رامائن کی بازگشت ہے۔

چھٹی صدی عیسوی میں ''منورتھا'' کا نام ایک عظیم مصنف کی حیثیت سے ملتا ہے۔ اس کی ایک تصنیف ملی ہے۔ جس میں مہا بھارت کی بنیاد پر یدھشٹر، ارجن اور درو پدی وغیرہ کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ اور اس میں اندر اور شیو جیسے دیوتاؤں کو بھی کرداروں کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ سنسکرت ادب میں یہ نظم ایک زبردست اہمیت کی حامل مانی جاتی ہے۔ جس کا اندازِ بیان کہیں کہیں سے گنجلک ہو گیا ہے۔

۶۵۰ء کے اطراف میں ایک تخلیق ''بھٹی کاویہ'' یا ''راون ورھ'' کے نام سے ملتی ہے۔ ویسے تو یہ رامائن کی کہانی ہے۔ لیکن اس کا اندازِ بیان ایسا ہے کہ وہ علم القواعد سکھانے والی ایک کتاب بن گئی ہے۔ اس کتاب میں جوڑیاں استعمال کی گئی ہیں ۔ وہ سنسکرت کی ایک شکل بھرتری کے انداز کی پراکرت بولی پر مبنی ہے۔ ایسی حالت میں اس تخلیق کے مصنف کے بارے میں یہ امکان پایا جاتا ہے کہ وہ ''ستک'' نام کی تصنیف یا ''واکیہ باڑیہ'' نام کی تصنیف کا مصنف بھرتری ہری ہو۔ خیال ہے کہ یہ مصنف گجرات کے سوراشٹر نامی علاقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

کمار والس نام کے ایک مصنف کی تخلیق جانکی برن کے نام سے دستیاب ہے۔ جو رامائن پر مبنی ہے۔ لیکن اسکے مصنف نے ہر طرح سے حتیٰ کہ اپنے نام میں بھی کالیداس کی پیروی کی ہے۔ واقعات کے اعتبار سے یہ کہانی نامکمل ہے۔ خیال ہے کہ یہ مصنف ساتویں صدی عیسویں میں گزرا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ پیدائشی نابینا تھا۔

''وکپتی'' نام کے ایک مصنف کی تخلیق ''گوداد ہو'' کے نام سے ملتی ہے۔ یہ شخص بھوبھوتی کا ہم عصر تھا۔ اور راجہ باسودرمن کا درباری شاعر تھا۔ اس راجہ کی حکومت کو کشمیر کے راجہ للیتا دتیہ نے فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ وکپتی اپنی اس تصنیف کو مکمل نہ کر سکا۔ یہ نظم اس نے اپنے ممدوح راجہ باسودرمن کی تعریف میں لکھی تھی۔ جس نے گوڑا نام کے ایک راجہ کو شکست دی تھی۔

نویں صدی کے وسط میں ایک تخلیق ''دھونیہ لوک'' کے نام سے لکھی گئی تھی۔ جس کا مصنف آنند وردھن ہے۔ اسی دور میں راجہ باسودرمن کا تصنیف کردہ ایک ڈرامہ ''رام ابھیودیہ'' کے نام سے ملتا ہے۔ یہ دونوں تصانیف زبان و بیان کے اعتبار سے بڑی حد تک مماثلت رکھتی ہیں۔

اسی دور میں ایک کشمیری مصنف رتنا کر کی ایک تخلیق ''ہراوجے'' کے نام سے ملتی ہے۔ جو کشمیر کے راجہ اونتی ورمن کے عہد میں لکھی گئی تھی۔ سنسکرت ادب میں یہ ایک ضخیم ترین نظم ہے۔

راجہ اونتی ورمن کے ایک اور درباری شاعر ''شواسوامن'' کی ایک تخلیق ''کپان ابھیودیہ''

کے نام سے ہے۔ جو بودھ فلسفے پر مبنی ہے۔ اس میں ایک کہانی بیان کی گئی ہے۔ جو جنوبی ہند کے ایک راجہ کی ''تبدیلیٔ مذہب کے بارے میں ہے۔

شری ہرش کی ایک نظم ''ناگانند'' بھی اسی انداز کی ایک طویل نظم ہے۔ جس میں رام چندر اور پانڈو بھائیوں کی کہانی ایک نئے انداز میں پیش کی گئی ہے۔

اسی طرح چدامبر کوی کی تخلیق ''واگھو، پانڈو۔ یادویہ'' میں رامائن مہابھارت اور بھاگوت گیتا کی کہانیوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا گیا ہے۔

دسویں صدی کے اواخر اور گیارہویں صدی کے اوائل میں پرمار خاندان کے ایک راجہ سندھو راج کے عہد میں ایک طویل رزمیہ نظم ''سواسہنک چرتر'' کے نام سے اس دور کے ایک مصنف پدم گپت نے لکھی تھی۔ وہ اپنے دور کا ایک مشہور شاعر تھا جس کو پریمالا کالیداس بھی کہتے تھے۔

کشمیر نے دراصل سنسکرت ادب کو بے شمار عظیم مصنف دیئے ہیں۔ انہیں میں ایک عظیم شاعر بلہاتا کا بھی شمار ہے۔ یہ کلیان کے راجہ چالوکیہ وکرمادتیہ کا درباری شاعر تھا۔ ایک عظیم رزمیہ نظم اس کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔ جس میں اس نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا اظہار انتہائی خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ایک ڈرامہ اور ایک غنائی نظم بھی لکھی ہے۔

اسی عہد میں شیمندر نام کا ایک اور کشمیری مصنف گزرا ہے۔ اس نے رامائن مہابھارت اور برہت کتھا کی تلخیص لکھی ہے۔ جن سے ان عظیم تخلیقات کی تاریخی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے چتر بھارت کے نام سے ایک ڈرامہ بھی تحریر کیا تھا۔ فلسفے نیز تاریخ کے موضوعات پر اس کی تخلیقات کافی مشہور ہو چکی ہیں۔

۱۱۳۵ء کے قریب ایک اور کشمیری شاعر نلکھا نامی گزرا ہے۔ اس کی تصنیف ''شری کانت چرتر'' کافی مشہور ہے۔

ایک تاریخی تصنیف ''راج ترنگنی'' کے مصنف کلہن نے کشمیر کی تاریخ ۱۱۴۸ء میں قلمبند کی تھی۔ اس نے تاریخی واقعات کو نہایت سنجیدگی اور صحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جین ہیم چندر نے اپنی طویل رزمیہ نظم ''دویاسرے کاوویہ'' میں انہلواڑ گجرات کے راجہ کمار پال کی کہانی بیان کی ہے۔ جس کا شمار ایک تاریخی نظم کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ اس تخلیق کے ابتدائی بیس اجزاء سنسکرت زبان میں ہیں اور باقی آٹھ اجزاء پراکرت بولی میں لکھے گئے ہیں۔ اس کی زبان میں اصول قواعد پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ شری ہرش بارہویں صدی کے نصف اواخر میں کال کج کے

راجہ وجے چندر کا درباری شاعر تھا۔ اس کی مشہور طویل نظم ''نیسادھیہ چرتر'' کا شمار سنسکرت کی ایک عظیم رزمیہ نظم اور عظیم ترین شاستری نظم میں کیا جاتا ہے۔ اس میں راجہ نل اور دمینتی کی مشہور کہانی نہایت موثر انداز میں پیش کی گئی ہے۔ تاریخی عناصر کے علاوہ اس نظم میں علم قواعد، فلسفہ، اور فنِ شاعری کے نکات پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ اس تصنیف میں جگہ جگہ کالیداس اور ماگھ کی پیروی کی گئی ہے۔

۱۲۶۸ء میں ہندوستان پر مسلمانوں کے حملوں کے وقت وینکٹ ناتھ کی پیدائش ہوئی تھی۔ یہ ایک عظیم شاعر اور ویشنو مذہب کا جوگی تھا۔ سنسکرت میں اس نے زبردست تخلیقی خدمات انجام دی ہیں۔ اس کی ۱۲۱ تخلیقات اب تک ملی ہیں۔ اس نے ایک سو آٹھ سال کی طویل عمر پائی تھی اور اپنے بے پناہ تجربات کی بنیاد پر زبردست ادبی تخلیقات کو عالمِ وجود میں لایا۔ وہ ذہنی طور پر کالیداس سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اس نے رگھوونش کے انداز میں ''یادوابھودیہ'' کے نام سے ایک طویل نظم تخلیق کی جو شری کرشن کی سوانح حیات ہے۔

اس کی ایک نثری تخلیق ''رگھوویرگدھیہ'' ایک زبردست شہرت کی مالک ہے۔ اس نے اپنی ایک اور تخلیق ''پاروکاسہس'' ایک ادبی مقابلہ میں صرف ایک رات میں تحریر کی تھی۔ نیتی رومن نے ۱۲۰۰ء میں ''کیچک ودھ'' کے نام سے ایک شاندار ادبی تخلیق پیش کی تھی۔ اس میں مہابھارت کا ایک مشہور واقعہ پیش کیا گیا ہے جس کے تحت بھیم نے اپنی ماں کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے کیچک کو قتل کر دیا تھا۔

شری وکرم پنڈت بھی ایک طویل رزمیہ نظم ''ارشاہرن'' کا خالق ہے۔ اس میں بھاگوت پران کی ایک رومانی کہانی بیان کی گئی ہے۔ انہیں کے بیٹے نرائن پنڈت نے 'مادھووِجے' نام کی ایک طویل نظم لکھی تھی جو مادھواوتار کی منظوم سوانح عمری ہے۔

سنسکرت کی ایک عظیم شاعرہ گنگا دیوی نے وجے نگر کی تاریخ پر مبنی ایک عظیم تخلیق ''متھرا وجے'' پیش کی تھی۔ گنگا دیوی نے سنسکرت کے شعراء کا ایک تذکرہ بھی ترتیب دیا تھا۔

نیل کنٹھ دیکشت نے ۱۶۳۷ء میں اپنی طویل نظم ''نیل کنٹھ وجے چمپو'' پیش کی تھی۔ ان کی طویل نظم کا ترجمہ تامل زبان میں بھی کیا گیا ہے۔ جس میں شیو کے مختلف اوتاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی ایک مشہور تصنیف ''گنگاوترن'' ہے۔ جس میں بھاگرتھ کی درخواست پر گنگا کے زمین پر آنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

رومانی نثر اور چمپو:

دنیا کے کسی بھی ادب میں نظم کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی ہے۔ چنانچہ اس طرح سنسکرت ادب میں سب سے پہلے نظم کا ارتقاء ہوا۔ اور خشک ترین مضامین جیسے علم القواعد، مذہبیات، علم الادویہ، قانون اور نجوم وغیرہ کو بھی سب سے پہلے نظم کا جامہ پہنایا گیا۔ تا کہ ان کو یاد کر لینے میں آسانی رہے۔ مذکورہ آفاقی اصول یا طریقہ کار کے بموجب سنسکرت ادب میں بھی نثر نگاری کا رواج بہت بعد میں ہوا جب نثر بھی ان تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل ہوگئی۔ جو ناقدین نے ایک معیاری ادب کی تخلیق کے لئے لازمی قرار دیئے تھے۔ ناقدین کی نظر میں نثر ایک ایسی صنف تھی جو معیاری ادب کی تخلیق کا بار اٹھانے کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے بعض پابندیوں کے ساتھ نظم کا وجود بھی انگیز کر لیا۔ اور اس میں ادب تخلیق کئے جانے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے نثر میں طویل اور گنجلک تراکیب استعمال کرنے کو منع کیا اور اندازِ بیان میں وہی جوش وخروش اور نشتر پیدا کئے جانے کی حمایت کی جو نظم کا حصہ ہے۔ چنانچہ بعض چوٹی کے مصنفین نے انتہائی چابکدستی کے ساتھ نثر میں سنسکرت ادب کی تخلیق شروع کی۔ چنانچہ قدیم سنسکرت ادب میں نثری تخلیقات کی تعداد پانچ یا چھ سے زیادہ نہیں۔ جو ناقدین کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔

سنسکرت ادب کی قدیم ترین یا ابتدائی ترین نثر کرشن یجر وید میں ملتی ہے۔ جن میں قربانی اور عبادات کے مختلف قواعد وضوابط کو نثر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ویدوں میں درج شدہ بھجنوں کی وضاحت میں لکھی گئی نثری تخلیقات برہمنا میں ایک ترقی یافتہ اور اصلاح شدہ نثر کے نمونے ملتے ہیں۔ اسی دور میں کچھ بیانیہ انداز کی کہانیاں سنسکرت نثر میں ملتی ہیں۔ جو شاید ویدوں کی تحقیق کی ہوئی زبان کی وضاحت کرنے کے لئے لکھی گئی تھیں۔ اس زمانے میں پاتنجلی کی نثری تصنیفات کافی ترقی یافتہ اور رواں دواں انداز میں لکھی گئی ہیں۔ جو شاید اس کی مسلسل مشق کا نتیجہ رہا ہوگا۔

کالیداس کی تصنیفات میں جگہ جگہ پر جو نثری حصے ملتے ہیں۔ ان میں اور پاتنجلی کی نثر میں خاص مماثلت پائی جاتی ہے۔ لیکن ساتویں صدی سے قبل سنسکرت نثر میں جو تبدیلیاں اور اصلاحات عمل میں آئیں ان کا باقاعدہ اور مسلسل تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ حالانکہ اس دور میں نثری داستانوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ الف لیلوی انداز کی داستانیں اس دور میں تخلیق کی گئی۔ جن کو تاریخ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان میں صرف اندازِ بیان پر زور دیا گیا ہے۔

اس دور میں سوانحی تخلیقات نثر یا نظم کسی بھی صنف میں نہیں لکھی گئیں۔ اس دور کے مصنفین کا

منتہائے نظر صرف عورت کے حسن اور زن وشوہر کے باہمی اختلاط اور وفاداریوں تک محدود تھا۔ اور اس سلسلہ میں انہیں موردِ الزام ٹھہرانا بھی مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس دور میں شاید قارئین کا ذوقِ مطالعہ بس اسی حد تک رہا ہوگا۔ اور ان مصنفین نے اپنے مخصوص انداز اور پیرائے میں جو کچھ لکھا وہ خود اپنے آپ میں مکمل نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بعض مصنفین نے زندگی کے تلخ تجربات اور سماج کی عریانیت کو بھی اپنی تحریروں میں اس مقصد سے پیش کیا ہے کہ ان کی اصلاح کی جانب عوام کی توجہ مبذول کی جائے۔ بعض تحریروں میں منظر نگاری اور انسانوں کے معمولات و عادات کا تجزیہ بڑے فطری انداز میں کیا گیا ہے۔ اور ان میں نہایت ہی شگفتہ اور شستہ زبان رواں دواں انداز میں پیش کی گئی ہے۔

ادبی تنقید کے متعلق بعض اہم تصنیفات بھی اس دور میں لکھی گئیں۔ اس سلسلہ میں ڈینڈین نام کا ایک ادیب خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ اپنی ذات میں بیک وقت ایک اعلیٰ پایہ کا شاعر اور تنقید نگار تھا۔ اس کی کتاب " کاویہ آدرش" سنسکرت ادب میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نظم میں لکھی گئی ہے۔ اور وہ نظم کالیداس کی اعلیٰ فنی خصوصیات کی حامل نظر آتی ہے۔ ایسی شخصیتیں ادبیاتِ عالم میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ ڈینڈین کے علاوہ بھاما، ودیاناتھ اور جگناتھ وغیرہ کے نام بھی سنسکرت ادب کے تنقید نگاروں کی حیثیت سے ملتے ہیں۔

بھرتری ہری کی شاعری کے تین ابواب میں سے اخلاقیات اور رہبانیت میں اخلاقی شاعری کی نمائندگی بھی کی گئی ہے۔ یہی خصوصیت " نیل کنٹھ دیکشت کی ایک تصنیف میں ملتی ہے۔ جس میں شاعر نے اپنی بات کو ایک خوبصورت طنزیہ انداز میں بعض اعلیٰ تر مقاصد کے تحت کہی ہے۔ کئی خوبصورت اصناف شاعری رمزیہ اور تمثیلی خاکے نیز طنزیات کا استعمال سنسکرت ادب میں بڑی وافر مقدار میں ہوا ہے۔ جس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے ادب میں شاذ ونادر ہی ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں دراوڑی زبانوں نے بھی اس کی پیروی کی ہے۔

اس قسم کی جذباتی شاعری کی ابتداء اور ارتقاء دیوی دیوتاؤں کے لئے عوام کی عقیدت کی روشنی میں ہوا ہوگا۔ ہندو فلسفے، کا اصل مقصد اس دکھوں بھری دنیا کے مصائب سے نجات حاصل کرنا رہا ہے۔ اور اس مقصد کو شعری ادب میں ڈھالنے کی وجہ بھی یہی رہی ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ مقبولیت دی جاسکے۔ سنسکرت ادب کی غنائیت اور موسیقیت اس مقصد کو زیادہ سے زیادہ عوام پسند

بنانے کی محرک ہوتی ہے۔

سنسکرت ادب کی ابتدائی تخلیقات میں جو تغزل ملتا ہے وہ زیادہ تر عشقیہ شاعری کی شکل میں ہے۔ یہ بھگتی کے گیتوں، صبح کے وقت گائے جانے والے بھجنوں اور رومانی داستانوں کی شکل میں ملتی ہے۔اس شاعری کے ابتدائی نمونے ستیہ واہن یابان کے یہاں ملتے ہیں جو'' گاتھاسپت ستک'' کا مصنف ہے۔ اور بان نے اپنی ایک تصنیف میں اس کا ذکر بڑے شاندار الفاظ میں کیا ہے۔ یہ مصنف غالباً کالیداس کا ہم عصر تھا۔

اس کے بعد ہم اس قسم کی شاعری کے ضمن میں کالیداس کا ذکر کریں گے ان کی مشہور تخلیق '' رُت سمہارا'' میں سال بھر کے چھ موسموں کا ذکر انتہائی رومانی انداز میں کیا گیا ہے۔کالیداس نے اس نظم میں یہ دکھایا ہے کہ عشاق کے ذہنوں پر ان بدلتے ہوئے موسموں کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ کالیداس کی دوسری تخلیقات '' میگھ دوت'' اور'' کمار سمبھو'' میں کئی مناظر کو تغزل سے سجایا گیا ہے۔ناقدین کا خیال ہے کہ'' کمار سمبھو'' میں کالیداس نے سرزمینِ ہند کے بارے میں فطرت کی فیاضیوں کا ذکر انتہائی موثر انداز اور خوبصورت لہجے میں کیا ہے ۔ ورڈ سورتھ کی طرح کالیداس کے یہاں بھی فطری مناظر کا انسانی جذبات و احساسات کے ساتھ براہ راست تعلق ہوتا ہے۔'' رتو سمہارا'' میں اس خیال کا اظہار بھرپور انداز میں کیا گیا ہے۔

میگھ دوت کا شمار جس کو ٹیگور نے '' ادبی تاج محل'' کا نام دیا تھا۔ دنیا کی بہترین اور خوبصورت طویل نظموں میں کیا جا سکتا ہے۔اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بے شمار ادیبوں نے اس کی تقلید میں مختلف تصنیفات پیش کی ہیں۔حتیٰ کہ مغربی ممالک میں بھی اس بلند پایہ نظم کے منظوم ترجمے وہاں کی مقامی زبانوں میں کئے گئے۔

ممکن ہے کہ کالیداس رامائن سے ذہنی طور پر بہت زیادہ متاثر رہے ہوں کیونکہ ان کے ڈراموں کے بعض کردار رامائن کے کرداروں سے زبردست مماثلت رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ رامائن کے اکثر حالات و مناظر سے ملتے جلتے حالات و مناظر کالیداس نے بھی اپنے یہاں پیش کئے ہیں۔کالیداس کے ڈراموں کے پلاٹ اور واقعات اگرچہ رامائن کا ہو بہو عکس نہیں ہیں۔تاہم ان کی جزئیات میں کہیں نہ کہیں کوئی مماثلت نظر آ ہی جاتی ہے۔اس کے علاوہ کالیداس کی شعری تخلیقات میں رومانی و مذہبی خیالات کا امتزاج اتنے خوبصورت انداز میں ملتا ہے کہ اس کی نظیر دنیا کے کسی دوسرے ادب میں نہیں ملتی۔عروض کے اعتبار سے بحور و قوافی کا استعمال اس انداز میں کیا گیا ہے کہ وہ

متعلقہ واقعات اور ان میں پیش کئے گئے انسانی جذبات سے صوتی اور صوری طور پر ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

بان کے خسر میور نے جو ساتویں صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ اپنی ایک تخلیق ''سوریہ ستک'' کے نام سے پیش کی تھی۔ اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف سے اس کو جذام کے مرض سے جس میں وہ مبتلا تھا صحت یابی ہوئی تھی۔

اسی دور میں امرو نام کا ایک شاعر راجہ گزرا ہے۔ جس نے اپنی رباعی اور قطعات نما تخلیقات میں پیار کرنے والوں کے وارداتِ قلبی اور آدابِ محبت کا ذکر انتہائی خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ نویں صدی عیسوی میں آنندوردھن نے اس فنکار کا ذکر انتہائی عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ اور اس کی تخلیقات کو میگھ دوت کے ہم رتبہ بتایا ہے۔ جن کے مختلف اشعار ان میں پیش کئے گئے جو فطری مناظر اور مقامات کی قلمی تصویر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ وصف شکنتلا کی منظر نگاری میں نظر آتا ہے۔

شری شنکر (۶۳۲ء سے ۶۶۴ء) نے جو ایک فلسفی اور مذہبی مبلغ کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ سنسکرت ادب کو مذہب سے متعلق غنائی شاعری کا ایک عظیم ورثہ عطا کیا ہے۔ اپنی لاتعداد تصنیفات میں انہوں نے اپنی بھکتی اور جذباتِ عقیدت کا اظہار بھرپور انداز میں کیا ہے۔ ان کی تخلیق ''سوندریہ لہری'' میں جو ایک سو اشعار پر مشتمل ہے۔ پاروتی کے حالات پر مبنی ہے۔ اور ''شوبھجنگ'' میں شیو دیوتا کی تعریف کی گئی ہے۔ اور ''بھج گووندا'' نامی تصنیف میں تزکیۂ نفس پر زور دیا گیا ہے۔

شری شنکر کا ہمعصر ایک ادیب مفک نام کا تھا۔ وہ کانچی کا رہنے والا تھا اور کاماکشی کا شاگرد تھا۔ اس کی تحریروں میں شوکت الفاظ اور پاکیزہ انداز بیان اس کی مقبولیت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس کی تصنیف ''پنچاستی'' پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا تیسرا اور چوتھا باب تخیّل کی بلند پردازی کا ایک بہترین شعری نمونہ ہے۔

دگامبر جین فرقہ کا ایک صوفی ادیب اتیاگتی تھا جس نے ۹۹۴ء میں اپنی ایک تصنیف ''سبھاست رتن سندرہ'' مرتب کی تھی، جو بلند کرداری اور اخلاق حسنہ پر مبنی اقوال زریں پر مشتمل ہے۔

کشمیر کا ایک شاعر بلہانہ جو ایک طویل تاریخی نظم ''وکرمنکا دیو چرتر'' کا مصنف ہے بتاتا ہے کہ اس نے خالص عشقیہ انداز کی ایک نظم ''چوراپنچاسکا'' بھی لکھی تھی۔ اس وجیہہ و شکیل شاعر کو ایک شہزادی کو موسیقی کی تعلیم دینے کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ شہزادی نابینا تھی۔ دورانِ تعلیم وہ اپنے استاد کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی اور اسے جذام کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔ چوری چھپے دونوں شادی کر لیتے

ہیں۔شاعر پر شاہی عتاب نازل ہوتا ہے۔لیکن اس کے پرخلوص جذباتِ محبت کو دیکھ کر راجہ اسے معاف کردیتا ہے ۔ اور دونوں کی شادی کی منظوری دے دیتا ہے ۔ اس کی ایک اور تصنیف ''کرونا سندری'' ہے۔جس میں اس کے ولی نعمت دبالا کے راجہ کرونا دیو کی ایک شہزادی کرونا سندری کے ساتھ شادی کا واقعہ بیان کیا ہے۔جے دیونام کے دو مصنف ایک ہی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ان میں سے ایک ادیب ''پرسّنا راگھو'' اور ''پرتیک سالوکا'' کا مصنف، ڈرامہ نگار اور ماہرِ علم منطق تھا اور دوسرا ''گیتا گووند'' نامی تصنیف کا شہرت یافتہ ادیب ۔ بنگال کے راجہ لکشمن سین کے نورتنوں میں شامل تھا۔اس کی تخلیقات کا شمار میگھ دوت کے بعد دوسرے مقام پر کیا جاتا ہے۔اس کی ایک تصنیف میں کرشنا نام کے ایک تہوار کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں جو آج بھی بنگال میں منایا جاتا ہے۔اس نے اپنی پختہ تحریروں میں خوبصورت زبان اور سنگلاخ زمین کا استعمال کمال مہارت کے ساتھ کیا ہے۔اس نے بھگتی اور پوجا کے اشلوکوں پر مشتمل نظمیں کہی ہیں۔جن کو ہم موجودہ کیرتن کا نقش اوّل کہہ سکتے ہیں۔جس کا ارتقاء بعد میں چیتنا مہا پربھو وغیرہ کے ہاتھوں ہوا۔اس نے پہلی مرتبہ گیتوں کو راگ اور تال کی شکل عطا کی ۔ اس کی مذکورہ تخلیق اس انداز میں لکھی گئی ہے کہ ہم اس کو ہندوستانی اوپیرا کی ابتدائی شکل کہہ سکتے ہیں۔چیتنیہ اس مصنف سے بہت زیادہ متاثر تھے۔وہ امروک کے رنگ میں اس قدر ڈوب چکے تھے کہ ان کی خودستائی کو بھی جائز کہا جاسکتا ہے۔ امروک کی تصنیف ''گیتا گووند'' مستقبل کے موسیقاروں کے لئے ایک مشعلِ راہ بن گئی۔

سنسکرت کا بہترین اوپیرا ''کرشن لیلا ترنگنی'' ہے۔جس کو سولہویں صدی عیسوی میں شری ناتھ نرائن سوامی نے تحریر کیا تھا۔

''لیلا سک'' نام سے مشہور ایک مصنف کی تخلیق ''کرشن کرنامرت'' بھی ایک مشہور نظم ہے۔ جو جنوبی ہندوستان میں ہر مقام پر گائی جاتی ہے۔اس کی نظم کے تین حصے ہیں۔جن میں سے ہر ایک سو سو اشعار پر مشتمل ہے۔یہ اپنی غنائیت روانی اور خوبصورت اسلوب کی وجہ سے بہت زیادہ مشہور ہے۔

ویدانت ویسیکا نام کا مصنف چودھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے۔اس کی تصنیف ''ہنس سندیس''، ''میگھ سندیس'' کا ایک خوبصورت نقشِ ثانی ہے۔

جگناتھ پنڈت راجا سنسکرت ادب کا ایک آخری عظیم شاعر ہوا ہے۔جو جنوبی ہند کا رہنے والا تھا۔لیکن اس نے دہلی کے مغل شہنشاہ شاہجہاں کے دربار میں اپنے لئے ایک نمایاں مقام بنالیا تھا۔ اس کو باصلاحیت لیکن بدقسمت شہزادے داراشکوہ کا اتالیق بھی مقرر کیا گیا تھا۔فنِ شاعری کے

موضوع پر اس کی تصنیف ''رس گنگا دھر'' ایک عظیم کتاب ہے۔ اس کے علاوہ کئی دیگر تصنیفات اس کی غنائیہ شعری تخلیقات پر مبنی ہیں۔

حکیمانہ شاعری:

ویدک دور کے ادب میں اس قسم کی شاعری کے نمونے بافراط ملتے ہیں۔ اس کے بعد ادب، کی ساری اصناف میں اس کا امتزاج اور جھلک پائی جاتی ہے۔ سنسکرت ادب اس قسم کی شاعری سے مالا مال ہے۔ جس میں مختلف قطعات اور بندوں کی شکل میں اختصار اور خوبصورتی کے ساتھ زندگی کے عام حقائق کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس قسم کی شاعری شتک کی شکل میں ہمارے سامنے آئی۔ اور سنسکرت ادب میں شتک نام کی صنف شاعری کے مصنفین میں اولین شخصیت بھرتری ہری کی ہے۔ وہ ایک عظیم ماہر علم القواعد، فلسفی اور شاعر تھا۔ اس سے منسوب ایک تصنیف ''واکیہ پدیا'' انتہائی رواں دواں انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس کے اشعار بہت خوبصورت اور اخلاقیات پر مبنی ہیں۔ اسنے تین شتک شرنگار (جمالیات) نیتی (اخلاقیات) اور ویراگیہ (رہبانیت) نام کے لکھے ہیں۔ محبت فاتح عالم ہے۔ نازنینِ عشق کی آنکھوں کے نور کے بغیر یہ دنیا تاریک ہے۔ لیکن یہ باتیں جوانی کے لئے مناسب ہیں۔ یہ عالم ناپائیدار ہے۔ انسانی خواہشات بے حقیقت ہوتی ہیں۔

بھرتری ہری کی ان نظموں میں صنائع بدائع معنوی اور خوبصورت ضرب الامثال کا استعمال بھرپور انداز میں کیا گیا ہے۔

ایک کشمیری ادیب و شاعر سلہانا نے ساتویں صدی کے اواخر میں ''شانتی شتک'' نام کی تصنیف پیش کی۔ وہ بدھ مذہب سے متاثر تھا۔ اس کی تحریر میں سنجیدگی اور پاکیزگی ملتی ہے۔ اس کا ایک بنیادی خیال یہ ہے کہ خود اس کا وجود ہی ظالم کی زیادتیوں اور تظلّم کا ایک سبب ہے۔

غالبًا نویں صدی عیسوی میں بھلّت نام کا ایک کشمیری مصنف گزرا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سنسکرت ادب کی صنف ''اپنا پدیش'' کا نقیب اول تھا۔ جس کا انداز انتہائی معصومانہ ہوتا ہے۔

کشمیر کے راجہ جیا پیڑا کے وزیر دامودر گپت کی تصنیف ''کٹنی ماتا'' میں حسیناؤں کے لئے عاشقوں کا دل جیتنے کے مختلف طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

گیارہویں صدی عیسوی میں شہمشور نے سمے متریکا چارو چریا اور کال ولاس نام کی تخلیقات پیش کیں۔ معلم اخلاق کی حیثیت سے اس کی یہ تصنیفات بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

''اینوکتی''، سنسکرت ادب کی ایک صنف ہے۔ ویریشور نام کے ادیب نے اس صنف کو انتہائی خوبصورتی سے برتا ہے۔ اس کے بعد نیل کنٹھ دیکشت اور راجہ جگناتھ پنڈت نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔

گوردھن آریہ سپت ستی نے حکیمانہ شاعری کا ایک عظیم ذخیرہ جو کہ سات سو بندوں پر مشتمل ہے، رومانی نظموں کی شکل میں سنسکرت ادب کو دیا ہے۔ اس کی یہ تخلیق انتہائی متاثر کن ہے۔ اس کا ایک ہمعصر سری دھرداس بنگال کے راجہ لکشمن سین کا درباری شاعر تھا۔ ۴۲۶ر اقوال پر مشتمل ایک تصنیف پیش کی ہے۔ اس قسم کی تصنیفات اس لئے اہم ہیں کہ ان میں بعض گمنام شعراء کی تخلیقات بھی شامل ہیں۔

بھرتری ہری:

سنسکرت ادب کے کلاسیکی دور میں اس کی ایک اہم ترین صنف دوہا ہے۔ جس کا رواج دور حاضر میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن کلاسیکی دور میں اس صنف کا بہترین شاعر بھرتری ہری کو سمجھا جاتا ہے۔ جو ساتویں صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ سنسکرت ادب میں دوہے کا تصور چار مصرعوں کی ایک مختصر نظم سے وابستہ ہے۔ بھرتری ہری کی تخلیقات میں زیادہ تر دوہے ہی ملتے ہیں۔ تقریباً تین سو دوہوں پر مشتمل ان کی ایک تصنیف ''ترائے ستک'' (سہ ابوابیہ) آج بھی سنسکرت ادب کے قارئین کی توجہ اور عقیدت کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اس میں شامل دوہوں کو ان کے موضوع کے اعتبار سے تین مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب اخلاقیات پر مبنی ہے۔ دوسرے باب کا موضوع جمالیات ہے۔ تیسرے باب میں رہبانیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو ہندو معاشرے کے چار ورنوں میں سے آخری ورن مانا جاتا ہے۔

بھرتری ہری کے یہ شلوک سنسکرت ادب کے ایک بہترین شاہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور شاعر کے مافی الضمیر کا اظہار پوری جامعیت نیز ایک حسین فصاحت و بلاغت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اوران سے خود شاعر کی شخصیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھرتری ہری نے عملی طور پر ایک محروم اور غیر آسودہ زندگی گزاری ہے۔ تاہم اس کے مزاج میں قنوطیت نہیں ہے۔ محبت کی محرومیوں کا شکار ہونے کے باوجود وہ اس کی جانب سے مایوس نہیں ہے۔

جمالیات کے باب میں اس نے انسانی زندگی کے نازک اور اہم پہلو جنسیات پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اور یہاں پر اس کا انداز بیان کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ قاری یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ انسان کو

جنس کی رنگینیوں اور لذتوں سے پوری طرح بہرہ یاب ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔

اسی طرح اخلاقیات کے باب میں انسانی کردار کے مختلف محاسن وقبائح سے بحث کرتے ہوئے اعلیٰ کردار کا ایک تمثیلی نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ بھرتری ہری ایک درباری شاعر تھا۔ چنانچہ اخلاقیات کے باب میں اس نے بعض دوہوں میں اس بات پر خاصا زور دیا ہے کہ حاکم وقت یعنی راجہ اور اس کے درباریوں کے درمیان کس قسم کے آداب وضوابط کن حدود تک قائم رکھے جانے چاہئے۔ خاص طور پر اس سلسلہ میں درباریوں کے فرائض پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

رہبانیت کے باب میں اس نے ایک تارک الدنیا انسان کی زندگی کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں کا ذکر بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔

پروفیسر اے. ایل. باشم کی رائے کے مطابق بھرتری ہری کی شاعری میں بھرپور غنائیت کے ساتھ ساتھ ایک پراسرار ذومعنویت کا عنصر بھی شامل ہے۔ اس نے دنیا اور علائقِ دنیا سے تعلق رکھنے والی اصطلاحات کا استعمال کر کے ان کو مخصوص رمزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ گویا اس نے انسانی زندگی کے مادّی علائق کو علامتوں کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ دور کی علامتی اور ایمائی شاعری جس کو ادب کی ترقی پسند تحریک کی دین کہا جاتا ہے۔ وہ بجائے خود کوئی نئی چیز نہیں ہے اس کا وجود سنسکرت کے کلاسیکی ادب میں بھی ملتا ہے۔ اور اس دور کے ادب میں بھی اس طریقۂ کار کو کچھ اس انداز میں برتا گیا ہے جو موجودہ دور میں مستعمل ہے۔ یعنی علامتیں کچھ اس قدر الجھی ہوئی اور دوراز قیاس ہیں کہ ان کی تہہ میں پیش کیا ہوا مفہوم گنجلک بن کر رہ جاتی ہے۔

بہرحال بھرتری ہری کی تخلیقات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ ایک مذہبی ذہنیت کا حامل انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خالص دنیادار، ایک عظیم الشان اور ایک تہہ در تہہ شخصیت رکھنے والا عظیم مفکر فلسفی اور شاعر تھا۔ شاعرانہ عظمت کے اعتبار سے اس کا شمار دنیا کے چند گنے چنے عظیم شعراء میں کیا جاتا ہے۔

شعری ادب میں اس نے اپنی آفاقی حیثیت کا لوہا ساری دنیا سے منوالیا ہے۔ اور دنیا کی مختلف زبانوں کے ادب میں اس کے فن کی نمائندگی نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ کی گئی ہے۔ چنانچہ اردو ادب کی وسعت دامانی اور بلند ظرفی کا یہ ایک زندہ ثبوت ہے کہ سنسکرت ادب کی مختلف بلند پایہ تخلیقات کو اردو ادب میں ضم کر لئے جانے کے علاوہ بھرتری ہری کی بلند خیالیوں اور نازک ترین جذباتیت کا عکس بھی ہمارے یہاں ملتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے لئے انتہائی فخر کا باعث ہے کہ حکیم

مشرق اور اردو کے اعلیٰ ترین فلسفی وشاعر علامہ اقبال نے فارسی ادب کے رطل گراں حضرت رومی سے استفادہ کیا ہے۔ اور جرمن زبان کے بلند پایہ شاعر نطشے کے خیالات کو اپنے مخصوص تخلیقی انداز میں اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ وہیں انہوں نے بھرتری ہری کے حکیمانہ خیالات کا بھی زبردست تاثر قبول کیا ہے۔ یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ فلسفہ خودی اردو ادب کوعلامہ اقبال کی دین ہے۔ انہوں نے لفظ ''خودی'' کو جو مخصوص اور نازک معنی عطا کئے ہیں وہ ان کا اپنا ایک الگ کارنامہ ہے۔ اور اس موضوع پر وہ بنیادی طور پر رومی سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مخصوص موضوع کی بادیہ پیمائی کے لئے انہیں ایک ہلکا سا اشارہ بھرتری ہری سے بھی ملا ہے۔ جس کو سنسکرت کے اس عظیم شاعر نے ''عرفان ذات'' اور ''خودشناسی'' کی اصطلاحات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''عمل پیہم'' اور ''محبت فاتح عالم'' کی تراکیب بھی علامہ اقبال نے بھرتری ہری کے یہاں پائی ہونگی۔ حالانکہ یہ ان کے لئے کوئی نیا انکشاف نہ رہا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے ان باتوں کو جس قدر باریکی، تفصیلی جزئیات اور فنکارانہ حکمت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ان کی اپنی وہبی اور خلاقی صلاحیتوں کی پیداوار تھا۔ جس کی تقلید اور تتبع دنیا کی دوسری زبانوں کے ادب میں کیا گیا ہے۔

بالِ جبریل کے سرنامہ پر علامہ اقبال نے بھرتری ہری کے حوالہ سے جو شعر پیش کیا ہے۔ وہ تنہا بھرتری ہری کی کم از کم دو نظموں کا اختصار اور نچوڑ ہے۔ بھرتری ہری نے کم از کم آٹھ مصرعوں میں جس بات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ کہا ہے۔ علامہ نے اسی نکتہ کو صرف دو مصرعوں میں انتہائی شاعرانہ اور عالمانہ انداز میں کہہ دیا ہے۔ اور ادب میں یہ ان کی اپنی ''پیغمبرانہ شان'' تھی کہ ان کا پیش کردہ خیال کسی بھی طرح بھرتری ہری کا عکس نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اور اسے ہم علامہ کی ادبی دیانتداری کہیں گے کہ انہوں نے اپنے اس شعر کے ساتھ بلا پس وپیش بھرتری ہری کا حوالہ دے دیا ہے۔

بہرحال علامہ اقبال کے اس استثنٰی کے ساتھ ہمیں یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہونا چاہئے کہ اردو ادب میں بھرتری ہری کی نمائندگی ابھی تک اس انداز میں نہیں کی گئی ہے جو اس کا حق تھا۔ حدیثِ نبوی کے مطابق ''حقیقت جہاں سے بھی ملے لےلو کیونکہ اس پر تمہارا حق ہے'' بھرتری ہری کے فن کو یہ استحقاق پہنچتا ہے کہ اس کا حکیمانہ خیالات کی صحیح نمائندگی اردو ادب میں ترجمہ کی وساطت سے کی جائے۔ چنانچہ میں زیرِ نظر مجموعہ قارئین اردو کی خدمت میں ایک احساس فخر طمانیت کے ساتھ

پیش کر رہا ہوں کہ شاید یہ فریضہ مجھ سے ادا ہو سکا ہو۔

بھرتری ہری کے خیالات کو اردو میں منتقل کرتے وقت جو ادبی مصالح میرے پیش نظر رہے ہیں وہ میں اپنے قارئین کے گوش گزار کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ ترجمہ کرتے وقت میری یہ پوری کوشش رہی ہے کہ میرے تراجم اور اصل متن میں حتی الامکان قربت و یکسانیت رہے۔ اور کہیں سے جذبات وخیالات میں غرابت پیدا نہ ہونے پائے۔ بھرتری ہری کے اپنے دوہوں میں بڑی مرصع اور صنائع بدائع سے بھرپور زبان کا استعمال کیا ہے۔ نازک ترین تشبیہات واستعارات کو بھرتری ہری کی زبان کا طرۂ امتیاز کہنا چاہئے۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ بھرتری ہری کی بعض تشبیہات اس کے اپنے مخصوص دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس دور کی جمالیاتی اور ادبی اقدار آج سے بالکل مختلف تھیں۔ بھرتری ہری کی بعض تشبیہات واصطلاحات کی ادبی قدر وقیمت اپنے مخصوص دور میں تو بے بدل اور بے نظیر رہی ہوگی۔ لیکن وہ بہرحال ہمارے آج کے قارئین کے غیر مانوس اور کم سوادسی محسوس ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس فنی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے میں نے بھرتری ہری کی بعض تشبیہات واصطلاحات کو اس انداز میں بدل دیا ہے کہ وہ اردو کے عصری ادب کا ہی ایک حصہ بن جائیں اور قارئین اردو کو ان میں کسی غرابت کا احساس نہ ہو۔ اس کے علاوہ میں ایک بار پھر یہ عرض کروں گا کہ میں بھرتری ہری کے مافی الضمیر کو بے کم وکاست اس کی اپنی شکل میں آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ تاکہ آپ بھرتری ہری کو اس کی اپنی اصل شکل میں دیکھ سکیں۔

میری اس کوشش کا اصل مقصد صرف اردو ادب کے دامن کو وسعت دینا ہے۔ جو اردو کے ہر ایک طالب علم کا فریضۂ اولین ہونا چاہئے۔ ادب دنیا کی کسی بھی زبان میں ہو۔ بہرحال ادب ہے۔ اس حقیقت سے انکار کرنا ناممکن ہے کہ اپنی عمر کے اعتبار سے اردو ادب اپنی بھرپور جوانی کے سن میں ہے اور سنسکرت زبان دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ اور اس کا ادب ایک لحاظ سے بڑھاپے کی منزل سے بھی گزر چکا ہے۔ چونکہ آج کے دور میں سنسکرت ادب صرف شوکیس میں سجانے کی ایک چیز بن کر رہ گیا ہے۔ سنسکرت زبان کو ایک مردہ زبان کہا جانے لگا ہے۔ کیونکہ وہ اس ترقی یافتہ عصری دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہی ہے۔ بہرحال پانی ہمیشہ نشیب کی جانب بہتا ہے۔ لہٰذا سنسکرت ادب کو اردو کے قالب میں ڈھالنا آج کے دور کی ایک اہم ادبی اور ثقافتی ضرورت بن گیا ہے۔ اور میں نے اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک کوشش کی ہے۔

بھرتری ہری کے شتک :

بھرتری ہری کی حکیمانہ نظموں میں بظاہر ایک بے ترتیبی سی ملتی ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نظمیں بے مصرف سی ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ سب کی سب کارآمد ہیں اور ہمارے اس عظیم ملک کی وسیع آبادی کے ایک حلقے کے لئے ایک عظیم مقصد اور افادیت کی حامل ہیں۔

اس سے پہلے ہندوستان میں بھرتری ہری کے کئی شاندار تراجم ہو چکے ہیں۔ گذشتہ صدی کے اواخر میں بی ہیل ورتھم نے اس کا ایک انگریزی ترجمہ تیار کیا تھا۔ ان سارے تراجم میں ''شرنگار شتک'' (جمالیاتی سو اشلوک) کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ بھرتری ہری کی شاعری کا یہ حصہ زیادہ تر جنسیت یا عشقیہ جذبات کا حامل ہے۔ اور اس کو انگریزی میں بعض تبدیلیوں کے بغیر شائع نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اس تخلیق کے پورے ایک تہائی حصہ کو حذف کر دینا بھی مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اس حصہ کو بھی اپنے یہاں شامل کر لیا۔ اپنے قارئین کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہوئے کہ ''سلیمانی گیتوں'' کے بعض حصے بھی اتنے ہی قابلِ اعتراض ہیں جتنے کہ بھرتری ہری کے گیت ہیں۔

بھرتری ہری کی زندگی کے واقعات ابھی تک روشنی میں نہیں آئے ہیں۔ صرف یہ کہہ دینا کہ وہ آٹھویں یا نویں صدی میں گزرا تھا کافی نہیں ہوتا۔ اس سے اس کے دور کا صحیح تعین نہیں ہوتا۔ بعض ذمہ دار محققین نے بڑے مدلل جواز کے ساتھ بتایا ہے کہ وہ دوسری صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ یہ بات قطعی طے شدہ ہے کہ وہ مالوہ کے راجہ ''گندھوسین'' کا بیٹا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ بھرتری ہری اپنے باپ کے بعد باقاعدہ طور پر تخت نشیں ہوا تھا۔ اور اس نے اپنے سوتیلے بھائی وکرم کی مسلسل درخواستوں کے باوجود سات سال تک انتہائی تعیش پسندی کے ساتھ حکومت کی۔

کہانی یوں بیان کی جاتی ہے کہ بھرتری ہری کو ایک دن یہ پتہ چلا کہ اس کی عزیز ترین بیوی اسے فریب دے رہی ہے۔ تو اس روز سے اس کی زندگی کا رخ یکسر بدل گیا۔ اور اس نے درویشی اختیار کر لی۔ محققین کا خیال ہے کہ اس کی شاعری اس کی درویشانہ زندگی کا عکس ہے۔ یہ نظریہ عین ممکنات پر مبنی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ بھرتری ہری نے بعض کہاوتیں اور اقوال زریں بعض دانشوروں کی زبان سے سن کر جمع کر لی تھیں اور ان میں سے انتخاب کر کے چند اقوال کو منظوم شکل دے دی تھی۔ جس کو اس کی شاعری کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اس کے ہر ایک شتک میں ایک ایک سو شلوک ہیں۔ لیکن ان کے مختلف متون میں بعض بعض شلوکوں کے الفاظ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور بعض جگہ ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ بہر حال وہ جتنے بھی اور جیسے بھی ہیں

ہزاروں لوگوں کے لئے روحانی اور ذہنی طور پر ایک مشعلِ راہ ہیں۔

شتک ترایم (سہ ابوابیہ) ایک تعارف

شتک ترایم (لفظی اعتبار سے تین سو نظمیں) سنسکرت کی غنائی اور حکیمانہ شاعری کا ایک شاندار مجموعہ ہے۔ جس کو ہندوستانی روایات کے مطابق بھرتری ہری کی تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ یہ مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے ہر ایک شاعر کی ذاتی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مبنی ہے۔ نیتی شتک (اخلاقیات) اس کے دنیاوی علائق ونظریات سے تعلق رکھتا ہے۔ شرنگار شتک (جمالیات) سے اس کے عشقیہ اور رومانی افکار و جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ویراگیہ شتک (رہبانیات) میں دنیا کے بارے میں اس کے شکوک وشبہات اور اس سے لاتعلقی کے بارے میں اس کے خیالات کا عکس ملتا ہے۔ یہ نظمیں حقیقی ہیں اور ان کا خالق تاریخ کی مشکوک شخصیت ہے اور دونوں کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ مصنف کے سوانحی حالات پوری طرح نا قابلِ حصول ہیں۔ اور اس کی نظموں کا متن کئی صدیوں کا طویل سفر طے کرنے کے بعد ہم تک پہنچا ہے۔ شاعر نے بنیادی طور پر اپنے قلم سے کیا لکھا تھا۔ اس کو یکجا کرنا تو ناممکن سا ہے۔ لیکن اس کی اس عظیم تصنیف کے جتنے مخطوطات دستیاب ہیں۔ ان کا گہرا جائزہ لینے اور تحقیقی تجزیہ کرنے کے بعد مشہور ریاضی داں، مؤرخ اور عالم ڈی، ڈی کوسمبی[1] D. D. Kosambi نے لکھا ہے۔ "............

ایک حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ اس کے مختلف متون میں غیر معمولی اختلافات پائے جانے کے باوجود اس کی ہر ایک نظم کا تاثر تقریباً ہر جگہ یکساں ہے۔ پورا مجموعہ ایک مخصوص انداز کی نظموں پر مشتمل ہے...... اس کے بنیادی مسوّدے میں یقیناً ایک ایسی خاص بات رکھی گئی ہوگی کہ زمانہ کی طویل گردشوں کا شکار ہونے کے بعد اس کا مجموعی تاثر آج بھی باقی ہے۔

ان دو سو نظموں میں اجتماعی طور پر یکساں انداز کے طنز و تشکیک اور بے اطمینانی کا اظہار ہوتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سب کے سب ایک ہی مصنف کے رشحاتِ قلم ہیں۔ اس

۱۔ مختلف مستشرقین اور ناقدین نے بھرتری ہری کی اس تصنیف کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ڈی ڈی کوسمبی کے اخذ کردہ نتائج وخیالات کو سب سے زیادہ مستند خیال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر شتک ترایم کو تین سو دوہوں (چار چار مصرعوں پر مشتمل چھوٹی نظموں کا حامل بتایا جاتا ہے۔ لیکن کوسمبی کی ژرف نگاہی نے پورے تحقیقی آداب برتنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان دوہوں کی حقیقی تعداد صرف دو سو ہے۔ جو بھرتری ہری نام کے کسی شاعر نے لکھے تھے۔ باقی سارا کلام الحاقی ہے۔ چنانچہ باربرا اسٹولر ملر نے بھی انہیں دو سو نظموں کا ترجمہ پیش کیا ہے جن کی نشاندہی کوسمبی نے کی ہے۔

مصنف کو ہم بھرتری ہری کہتے ہیں۔ وہ ایک ایسا مصنف ہے۔ جس کی ادبی شخصیت کا اظہار شتک ترایم میں ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک تاریخی شخصیت بھی ہو۔

بھرتری ہری کون تھا؟ وہ کس زمانہ میں گزرا ہے۔ یہ حقائق آج بھی تاریکی میں ہیں۔ شتک ترایم کے متن کا قدیم ترین نسخہ گیارہویں یا بارہویں صدی عیسوی میں احاطۂ تحریر میں لایا گیا تھا۔ لیکن بھرتری ہری کا مخصوص مخطوطہ اس سے قبل بھی اپنی بے ترتیب شکل میں موجود تھا۔ ایک چینی سیّاح آئی چنگ کے سفرنامہ کی روداد سے اس سلسلہ میں ایک اشارہ ملتا ہے۔ اس نے اپنی تصنیف '' تاریخ بدھ مذہب'' میں لکھا ہے کہ بھرتری ہری نام کے ایک ماہر علم القواعد اور'' واکیہ پدیا'' نام کی ایک تصنیف کے علاوہ ایک اور کتاب کے خالق کا جو انسانی زندگی کے عام اصولوں اور علم القواعد دونوں پر مبنی ہے۔ ان کا انتقال ۶۵۰ء میں ہوا تھا۔ وہ ایک ایسا انسان تھا جو بدھ مذہب کے اصولوں کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم دنیادار اور غیر مذہبی خیالات کا حامل تھا۔ اور اس نے اس موضوع پر کچھ نظمیں بھی لکھی تھیں۔

شتک ترایم کی نظموں کا ماہر علم القواعد، بھرتری ہری سے بظاہر کوئی تعلق نہیں تھا۔ تاہم اس سلسلہ میں آئی چنگ کا بیان کسی حد تک قابلِ قبول ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس دور میں آئی چنگ نے ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ بھرتری ہری نام کا ایک مصنف جس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے اظہار پر مبنی نظمیں لکھی تھیں۔ اس وقت ہندوستان میں ایک روایتی شخصیت کی حیثیت سے مشہور تھا۔ ممکن ہے کہ آئی چنگ کو اس روایتی شاعر اور ماہر علم القواعد کے درمیان کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ دونوں الگ الگ شخصیتیں رہی ہوں۔

ہندوستانی روایات کے مطابق بھرتری ہری ایک راجہ تھا۔ جو صنف نازک کی بے وفائی کے غم میں تارک الدنیا بن گیا تھا۔ ایک قدیم سنسکرت تصنیف '' وکرم کرنیا'' میں یہ کہانی اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک برہمن پجاری کو عمر جاودانی عطا کرنے والا ایک پھل کہیں سے مل گیا تھا۔ برہمن نے وہ پھل راجہ بھرتری ہری کو پیش کیا۔ راجہ نے اس پھل کو خود کھانے کے بجائے اپنی محبوب ترین رانی کو دے دیا تھا۔ رانی نے وہ پھل اپنے ایک آشنا مرد کو دے دیا اور اس شخص نے بھی وہ پھل خود نہیں کھایا بلکہ اپنی ایک محبوبہ کو پیش کر دیا۔ اور اس عورت نے وہ پھل دوبارہ راجہ بھرتری ہری کی نذر کر دیا اس لئے کہ وہ راجہ بھرتری ہری سے محبت کرتی تھی، ان حالات پر غور کرنے کے بعد راجہ بھرتری ہری نے ساری دنیا کی عورتوں پر لعنت بھیج دی اور ترک دنیا کر کے جنگل کی راہ اختیار کی۔ بھرتری ہری کے

مجموعے کی ایک حالیہ اشاعت میں اس موضوع پر مبنی ایک نظم بھی ملتی ہے۔ جس میں اس نے محبت کے دیوتا کو مخاطب کر کے ساری دنیا کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اس کہانی کے باوجود بھرتری ہری کی تخلیقات کو پڑھنے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک راجہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک راجہ کے وہاں درباری شاعر کی حیثیت سے ملازم تھا۔ کیونکہ اس نے شاہی ملازمت میں انسان کی تذلیل نیز راجہ اور اس کے درباریوں کے درمیانی تعلقات کا ذکر اپنی کئی نظموں میں کیا ہے۔

بھرتری ہری کی نظموں کے مطالعہ سے اس کے اس نظریے کا اظہار ہوتا ہے کہ ایک شاعر عام حالات میں غریب و نادار ہی ہوتا ہے۔ اور اس بے رحم مادّی معاشرت میں ایک کامیاب زندگی گزارنے کے قابل نہیں ہوتا۔

بھرتری ہری نے اپنی نظموں میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ ایک نوجوان آدمی کے خیالات نہیں ہو سکتے بلکہ وہ معمولی اور غیر اہم جگہوں پر بے مقصد گھومتا پھرا اپنی اور اپنی جسمانی قوتوں کے ضیاع اور کبرسنی کے المئے پر اپنی تشویش اور رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ اس نے نوجوان عورتوں کا ذکر ایک بوڑھے عاشق کے پرسکون شہوانی جذبات کے ساتھ کیا ہے۔ جب مرد اور عورتوں دونوں کی جانب سے باہمی جنسی کشش باقی نہیں رہتی۔ وہ اپنے آپ کو اس یقین دہانی کے ساتھ تسلی دینا چاہتا ہے کہ اس کا فن شاعری اور ذہانت لافانی چیزیں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسے اس بات کا بھی احساس ہے کہ اس نے اپنی جوانی فضول ضائع کر دی۔ اور اب اس کی زندگی میں صرف حرص و طمع رہ گئی ہے۔ جس سے وہ اپنا دامن نہیں چھڑا سکتا۔ وہ خود اپنے اوپر زبردست طنز کر سکتا ہے۔ اور اس فطرت کے زیرِ اثر وہ اس ناپائیدار اور فریبی دنیا میں انسانی وجود کو بے عمل اور بے ضرورت خیال کرتا ہے۔

عام طور پر مغربی مستشرقین کا خیال ہے کہ سنسکرت کے شعراء نے اپنی تخلیقات میں خود اپنی شخصیت کا کوئی متاثر کن نقش نہیں چھوڑا ہے۔ لیکن ہم بھرتری ہری کو اس نظریئے سے مستثنیٰ قرار دے سکتے ہیں۔

ہندوستانی آدابِ زندگی کے اعتبار سے انسان کی زندگی کے چار پہلو ہوتے ہیں۔ یعنی دھرم (مذہب) ارتھ (مال اکتساب) کام (شہوانی تلذذ) اور موکش (نجات یا رہبانیت)۔ بھرتری ہری کی نظموں میں بھی انہیں مراحل کا تسلسل پایا جاتا ہے۔

نیتی شتک (سیاسی اخلاقیات) میں انسانی زندگی کے ان تجربات کا ذکر کیا گیا ہے جو اس رزم گاہ ہستی میں اسے درپیش آتے ہیں۔ تاہم اس میں نصیحت آمیز کہانیاں نہیں پیش کی گئیں۔ بعض نظموں میں دنیا سے بیزاری اور اس سے لاتعلقی کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ اس باب میں بھرتری ہری نے دنیاوی دولت کے نشے، انسانی حرص وطمع، تقدیر کی ناسازگاری، بادشاہوں کا غرور وتکبر، ملازمت کی ذلت وخواری اور معاشرہ میں بدکردار لوگوں کی افضلیت کی عکاسی بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔

قدیم ہندوستانی ادب میں اس بات پر خصوصی طور سے اظہارِ تشویش کیا گیا ہے کہ انسانی خواہشات اور حرص وطمع انسان کو مختلف مصائب میں مبتلا کرتی رہتی ہے اور خواہشات ہی انسان کو بار بار عالم وجود میں آنے پر مجبور کرتی ہیں۔ بھرتری ہری نے انسان کی ہوس اور شہوانی جذبات کے متعلق بعض اصطلاحات کو ان کے اصل معنی کے بجائے اشاراتی انداز میں استعمال کیا ہے۔ اس طرح اس کی شاعری میں رمزیت کی شان پیدا ہوگئی ہے۔

بھرتری ہری نے جہاں اپنی عشقیہ شاعری میں خواہشات وجذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے شرنگار شتک (جمالیات) میں کچھ زیادہ سنجیدگی اور ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہے۔ اس باب کی زیادہ تر نظمیں نہ صرف عشقیہ جذبات وخیالات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ بلکہ ان میں زبردست گہرائی و گیرائی بھی ملتی ہے۔ کیونکہ شاعر کا یہ عقیدہ ہے کہ عشق کی غلط فہمیاں، خواہشات، آلام ومصائب اور محبت کی سرمدی خوشی یہ ساری چیزیں انسانی وجود کا ایک حصہ ہیں۔

اس کی نظر میں عورت ایک معمہ ہے۔ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ عورت آدمی کو ایک جنت ارضی کی طرف بلاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آدمی کو لبھا کر اسے مستقل غلامی اور پریشانی کے جال میں بھی پھنسا دیتی ہے۔ عورت کے ساتھ مرد کا جذباتی تصادم انتہائی حسین ہوتا ہے۔ چنانچہ بھرتری ہری نے عورت سے اپنی بیزاری اور لاتعلقی کا جو ذکر کیا ہے۔ وہ صرف اسلئے ہے کہ وہ عورت کے حسن اور اس کی عشوہ طرازیوں سے انتہائی پیار کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے کسی مخصوص عورت کا تصوّر پیش نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ ایک عام سی عورت ہے۔ جو نوجوان ہے۔ حسین ہے۔ عشوہ طراز اور پیار کرنے والی ہے۔ اور ایک بھاری بھرکم شخصیت کی مالک ہے۔ وہ اس سے نہ تو عبادت کی حد تک پیار کرتا ہے۔ اور نہ عام معاشرتی رواج کے مطابق بلکہ اس کا پیار ایک ٹھوس جذبہ ہے۔ جو عورت کے ساتھ جسمانی اختلاط میں (جو ایک مخصوص رومان انگیز موسم میں ہو) خصوصی حظ وتلذذ حاصل کرتا ہے۔

جذباتیت صرف انسانی فطرت کا ہی ایک خاصہ نہیں ہے۔ بلکہ ارضی مخلوقات جیسے چڑیوں، پھولوں اور جنگلات پر مشتمل فطرت اس کی جذباتیت کے اظہار کا ایک وسیلہ بنتی ہے۔ قدیم ہندوستانی شاعری میں انسانی فطرت کی عکاسی کرنے کے لئے اس تغیر پذیر فطرت کی ہمہ گیریوں اور باریکیوں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ ہر ایک شعر یا نظم میں ایک خصوصی رنگ یا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔

سنسکرت کی غنائی شاعری کی اہم ترین خصوصیت کو ہم ایک مخصوص اصطلاح ''رس'' سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ عام طور پر ''رس'' کا ترجمہ ایک مخصوص ذہنی کیفیت یا جذبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے مفہوم میں ایک زبردست وسعت پائی جاتی ہے۔ اور لغوی طور پر ہم اس کے معنی ایک خصوصی لطف یا ذہنی تلذّذ سے لیتے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم اس کو انسانی جذبہ کہہ سکتے ہیں۔

بھرتری ہری انسان کی حسّی خصوصیات (رنگ، خوشبو، ترنم وغیرہ) کے امتزاج سے اظہارِ جذبات کرتا ہے۔ اور خصوصاً اپنی عشقیہ شاعری میں وہ فطرت کی فیاضیوں سے اکتسابِ لطف کرتا ہے۔ یہ کوئی معمولی اور بے وقعت شاعری نہیں ہے۔ شاعر اس میں جذبات کو مجتمع یا منجمد نہیں کرتا بلکہ وہ جذبات کی بے پناہ خصوصیات کو یک جا کر کے اس سے ایک خصوصی لطف اور ایک جذباتی ماحول اتنے سلجھے ہوئے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ قاری بھی اس کے تجربات میں اپنے آپکو شریک سمجھنے لگتا ہے۔

عشقیہ جذبہ ایک سحر ہے۔ ایک جادو ہے۔ اور جادو موسموں کے تغیر یا عورت کی آنکھوں میں پایا جاتا ہے۔ فطری مناظر اور موسمی کیفیات انسان کے اندر ایک نئے جذبہ کو بیدار کرتی ہیں۔ ان کی ساحرانہ قوتوں کے زیرِ اثر عورت گوشت پوست کے ایک مجسمہ کے بجائے ایک خوبصورت خطرہ بن جاتی ہے۔ جو انسانی فہم کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

بھرتری ہری عورت پر لعنت بھیجتا ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ اس کے ساتھ بے رخی سے پیش آتی ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا حسن اس کو اپنے شکنجہ سے آزاد نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے آپ کو جذبات کی قید سے آزاد کر لینا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے کہ بڑھاپا اس پر طاری ہو جائے اور اس کی شمولیت خود اس کے لئے باعثِ رسوائی بن جائے۔ لیکن وہ فطرتاً کمزور ہے۔ وہ اس دنیا کے ساتھ جہاں پر ہر ایک لمحہ اس کو اس کے ماضی کی مسرتوں اور نئی خواہشات کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ اپنے عشقیہ علائق سے دست بردار ہو جانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

بھرتری ہری اپنی مجبوریوں کو بھی ناگزیر سمجھتا ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی گردشِ وقت کی مانند

ہے۔اور اس سے ہرگز چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتی۔جب وقت انسان کی زندگی اور اس کی خوشیوں کے لئے باعثِ کرب بنجاتا ہے تو اس کی ذہنی مسرتیں بھی داغ دار ہوجاتی ہیں اور اس میں اکتساب مسرت کی صلاحیت پائی نہیں جاتی۔تو انسانی زندگی کی مجبوریاں ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہیں۔

ہندوستانی عقیدے کے مطابق انسان کی موجودہ زندگی کا انحصار اس کے پچھلے جنم، یا جنموں کے اعمال پر ہوتا ہے۔انسان کی موجودہ زندگی کے مصائب اس کی گذشتہ بداعمالیوں کا ثمرہ ہوتے ہیں۔اور انسان اپنی تقدیر کا صانع خود ہوتا ہے۔انسانی عمل کے اثرات دوررس اور غیر ماڈی ہوتے ہیں۔عام ہدایت کے مطابق عمل کی تعریف کی جاتی ہے۔لیکن عمل کے ساتھ ساتھ تقدیر کا تصور بھی وابستہ رہتا ہے۔بھرتری ہری کی شاعری میں تقدیر کی اہمیت بھی تسلیم کی گئی ہے۔تاہم اس سے عمل کے جواز پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔عمل ایک دوسرے انداز سے اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔

تقدیر کے مقابلے میں عمل کی اہمیت کچھ زیادہ ہی رہتی ہے۔زندگی میں انسانی مصائب و ابتلاء کی ذمہ دار تقدیر ہوتی ہے۔لیکن انسان اس سلسلہ میں اپنے عمل کو قصوروار نہیں ٹھہراتا۔بلکہ اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ تقدیر اس کی پیشانی پر لکھ دی گئی ہے۔

بھرتری ہری کی شاعری سے یہ اظہار ہوتا ہے کہ انسانی زندگی دکھ اور سکھ کے جال میں لپٹی ہوئی ہے۔زندگی حسین ہے لیکن وقت کی گردش اسے بےلطف اور پریشان کن بنادیتی ہے۔اور زندگی ایک قید خانہ بن جاتی ہے۔جس سے کوئی مفر ممکن نہیں۔دولت کے نشے میں یا کسی عارضی مسرت کے تحت آدمی اس دنیا سے دھوکا کھا جاتا ہے۔حالانکہ وہ زندگی کو ناپائیدار سمجھتا ہے۔لیکن وہ اس کے اصل معنی نہیں سمجھ پاتا۔

بھرتری ہری کو اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ ایک فریب خوردہ انسان اس فریبی دنیا کو چھوڑ دینے کے بجائے ایک غلط فہمی کے تحت اس سے چمٹا رہتا ہے۔کیونکہ اس کو اپنی پریشانیوں اور تفکرات کی اصل وجہ نہیں معلوم ہوئی۔تاہم بھرتری ہری کا یہ عقیدہ ہے کہ رہبانیت ہی ایک ایسا راستہ ہے جو انسان کو دنیاوی آلام و مصائب سے نجات دے سکتا ہے۔

ویراگیہ شتک کا اصل موضوع رہبانیت ہی ہے۔ان نظموں میں بھرتری ہری نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ وہ جنگل کی پرسکون غیر جذباتی فضاؤں میں کسی پہاڑی ندی کے کنارے پر روحانی مراقبے اور بھگوان کی یاد میں اپنی زندگی کے دن گزار دے۔عشقیہ شاعری میں انسانی جذبات اس عالم رنگ و بو سے وابستہ رہتے ہیں۔لیکن رہبانیت میں جنگل کی پرسکون فضاؤں میں زہد

وریاضت کی پرسکون زندگی کا عکس ملتا ہے۔

بھرتری ہری کے یہاں ان دونوں قسم کی زندگی میں ایک زبردست مماثلت نظر آتی ہے۔ ایک تارک الدنیا راہب فطرت کی آغوش میں اس قدر پرسکون انداز میں لیٹا ہوا نظر آتا ہے۔جیسے ایک عاشق اپنے محبوبہ کے ساتھ جنسی اختلاط کے بعد تھک کر لیٹ جاتا ہے۔حالانکہ جنگل کا پرسکون ماحول، روحانی مراقبے اور عبادت کے لئے انتہائی سازگار ہوتا ہے۔لیکن یہاں بھی انسان کو علائق دنیا سے پوری طرح چھٹکارا مل جانے کا یقین نہیں رہتا۔ایک زاہد مرتاض کے اندر بھی شہوانی جذبات وہ چاہے کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں موجود رہتے ہیں۔اور یہ بات خطرناک ہے۔ایک راہب کی ریاضت کونسوانی حسن سے ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔

علائقِ دنیا سے چھٹکارا اسی وقت ممکن ہے جب انسان گردشِ وقت سے اپنے کو بے نیاز کرلے۔اور اس کا ذہن ازلی حقیقت کی پرسکون گہرائیوں میں کھو جائے۔اور وہ آلام ومصائب کے اس بحرنا پیدا کنار کو پار کرلے۔یوگا کی مشق اور زیادہ سے زیادہ علم کی تلاش میں اس دنیا سے فرار کا ایک ذریعہ بن سکتے ہیں۔بھرتری ہری نے اس فرار کو اس نظریہ نجات سے وابستہ بتایا ہے جو ہندوستانی فلسفے کا اصل مقصد سمجھا جاتا ہے اور اس خیال کا اظہار اس سے قبل اپنشدوں اور بھگوت گیتا میں بھی کیا گیا ہے۔لیکن بھرتری ہری کے یہاں اس دنیا سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ مخصوص خیالات بالکل نئے انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

جب انسان علم سے بے بہرہ ہوتا ہے اور شہوانی جذبات وخیالات کا شکار ہوتا ہے تو اسے اپنے گردو پیش صنف نازک کی بدمست نگاہیں ہی نظر آتی ہیں۔لیکن جب اسے ازلی حقیقت کا احساس ہو جاتا ہے لیکن اس منزل تک چند خوش نصیب لوگ ہی پہنچ پاتے ہیں۔بھرتری ہری کے لئے یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ وہ عورتوں کی آنکھوں میں چھپی ہوئی شہوانی حقیقت اور پیڑوں سے گرتے ہوئے شگوفوں سے اپنے آپ کو بے نیاز کرلے۔وہ اس کوشش میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا۔کیونکہ اس نے اپنی بعض نظموں میں یہ دکھایا ہے کہ ایک تارک الدنیا راہب ایک قابلِ استہزا شخصیت نظر آتا ہے۔

بھرتری ہری نے ہندوستانی طرزِ معاشرت کے چاروں مراحل کا ذکر اپنی شاعری میں کیا ہے۔الگ الگ ان کی تعریف کی گئی ہے۔لیکن آخر میں وہ سب مراحل مکمل اور نقائص سے پُر نظر آتے ہیں۔عورت اور دولت مصائب کا سبب ہوتی ہے۔صداقت اور علمیت معدوم ہیں۔اور پرسکون

ماحول اگر بدل بھی جائے تو وہاں بھی حسن کی قیامت خیزیوں سے مفر نہیں ہوتا۔

بھرتری ہری علائق دنیا اور درویشی میں کوئی فرق نہیں کر پاتا۔ وہ دنیاوی لذتوں سے حظ حاصل کرتا ہے اور اسکی ناپائیداری پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ فرق ناگزیر ہے۔

مختلف محققین کی رائے کے مطابق بھرتری ہری کی نظموں کی کل تعداد تین سو تھی اور اس لئے اس کو "شتک ترایم" (تین صدیاں) کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں پروفیسر کوسمبی نے انتہائی دیدہ ریزی اور محنت کے ساتھ کئی سال تک تحقیق کرنے کے بعد جو نتائج پیش کئے ہیں وہ یقینی طور پر حیرت انگیز لیکن پوری طرح قابلِ یقین ہیں۔ پروفیسر کوسمبی کا کہنا ہے کہ بھرتری ہری کی تین سو نظموں میں سے تقریباً سو نظمیں الحاقی ہیں۔ جو بھرتری ہری کے بعد مختلف شعراء نے اپنی طرف سے اس میں شامل کر دی ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے صرف دو سو نظمیں واقعی ایسی ہیں جو خود بھرتری ہری کی تخلیق ہیں۔ پروفیسر کوسمبی نے ان دو سو نظموں کی نشان دہی اپنے مرتب کردہ مسوّدے میں کر دی ہے۔ اور بار برا اسٹولر ملر نے انہیں دو سو نظموں کا انگریزی ترجمہ اپنی تالیف میں پیش کیا ہے۔ اور میں نے زیرِ نظر مجموعہ میں بار برا ملر کے مجموعہ سے ہی ۲۰۰ نظموں کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ اقدام صرف احتیاط کے پیش نظر تھا کہ ہمارے اس مجموعہ میں بھرتری ہری کا الحاقی کلام شامل نہ ہو جائے۔

اس سلسلہ میں ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پروفیسر ڈی ڈی کوسمبی بنیادی طور پر سنسکرت ادب کے اسکالر نہیں ہیں۔ ان کا اصل مضمون ریاضی ہے۔ جس میں انہوں نے زبردست تحقیق و تفحص کا کام کیا ہے۔ لیکن سنسکرت ادب کا ذوق انہیں اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ جو سنسکرت زبان و ادب کے ایک زبردست عالم اور محقق تھے۔

پروفیسر کوسمبی کو بھرتری ہری کے صحیح اور قابلِ اعتبار متن کا تعین کرنے میں زبردست دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور سخت ذہنی اور جسمانی مشقت سے دوچار ہونا پڑا۔ بھرتری ہری کی اس مایہ ناز تصنیف کے بے شمار مسودے مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے تھے۔ جن میں خود بھرتری ہری کے ہاتھ کا لکھا ہوا مخطوطہ اور اس کے علاوہ بے شمار مسودات تھے۔ جو مختلف محققین اور قارئین نے اپنے طور پر لکھ کر تیار کر رکھے تھے۔ اور فطری طور پر ان میں زبردست اختلافات در آئے تھے۔

اس ادبی بھول بھلیاں کے مختلف پیچیدہ راستوں سے گزر کر ایک صحیح اور معقول رائے کا

معیّن کرنا پروفیسر کوسمبی کا ہی کام تھا۔ جس کو انہوں نے پوری ذمہ داری اور دقیقہ سنجی کے ساتھ انجام دیا۔ مختلف مسوّدات کا موازنہ کر کے توارد اور تکرار کے بے شمار امکانات کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے ''شتک ترایم'' کے مختلف ابواب میں سے الحاقی نظموں کو مسترد کرتے ہوئے بھرتری ہری کے اصل کلام کو یکجا کر دیا اور مسترد شدہ نظموں کے بارے میں پوری تفصیل سے یہ بتایا کہ ان کے استرداد کی اصل وجہ کیا تھی۔ دراصل تحقیق کی دنیا میں یہ ایک زبردست کارنامہ تھا جس کے لئے پروفیسر کوسمبی کا نام ہمیشہ سنہری الفاظ میں لکھا جاتا رہے گا۔

بھرتری ہری کی شخصیت اور شاعری

بھرتری ہری تاریخ کے اس دور سے تعلق رکھتا ہے جس کے حالات کسی بھی مقام پر تحریری شکل میں نہیں ملتے۔ اور نہ ہی شاید اس دور میں تاریخی واقعات کو قلمبند کرنے کی جانب کسی کا ذہن ہی گیا ہوگا۔ چنانچہ ''بھرتری ہری'' کون تھا؟ اس سوال کا جواب انتہائی کاوش کے ساتھ تحقیق و تفحص کرنے کے بعد بھی کہیں نہیں ملتا۔ البتہ اس سلسلہ میں سنی سنائی باتوں اور ناقابلِ یقین روایتوں کی بنیاد پر جو غیر تاریخی اور نیم تاریخی دستاویز موصول ہوئی ہیں ان کی شہادت پر بھرتری ہری کی شخصیت اس قدر الجھ کر رہ گئی ہے کہ ان گتھیوں کو سلجھا کر اس کی اصل حقیقت کو بے نقاب کر لینا ایک کارِ ناممکن بن گیا ہے۔ مثال کے طور پر چین کے مشہور سیاح آئی چنگ نے اپنے سفرنامہ ہند میں ایک جگہ لکھا ہے کہ بھرتری ہری نام کا ایک شاعر اور ماہر علم قواعد اس دور میں تھا۔ جس کا انتقال ۶۵۲ء میں ہوا تھا۔

اس بیان سے بھرتری ہری کی شخصیت الجھاوے میں پڑ گئی۔ یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ بھرتری ہری نام کا شاعر (جس کی تخلیقات ''شتک ترایم'' کے نام سے تقریباً دو سو نظموں کی شکل میں ملتی ہیں) ماہر علم القواعد بھی تھا۔ بعض دوسرے قرائن سے بھی بھرتری ہری نام کے ایک ماہر علم القواعد کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ جس کی ایک تصنیف ''واکیہ پدیا'' کی موجودگی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہم ضروری اور کافی ثبوت کی غیر موجودگی کے سبب ان دونوں علماء یعنی بھرتری ہری شاعر اور بھرتری ہری ماہرِ علم القواعد کی شخصیتوں کو الگ الگ کر دینے پر مجبور ہیں۔ چین جیسے دور دراز ملک کے ایک سیاح کی معلومات پر پوری طرح بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے اس نے سنی سنائی باتوں پر دونوں شخصیتوں کو یکجا کر دیا ہو۔

بدھ مذہب کی بعض تحریروں میں بھرتری ہری نام کے ایک راجہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جس کے

متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ صنف نازک کی بے وفائیوں کے غم میں ایک تارک الدنیا راہب بن گیا ہے۔

بعض اور روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ بھرتری ہری بجائے خود ایک راجہ نہیں تھا بلکہ وہ اس دور کے ایک جلیل القدر راجہ وکرمادتیہ کا بھائی تھا۔ جس کے نام پر موجودہ دور کا وکرمی سمبت رائج ہوا تھا۔

ایک اور بیان اس طرح بھی ملتا ہے کہ بھرتری ہری شاعر ایک غریب برہمن کا بیٹا تھا۔ جو ایک شودر عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ پروفیسر ڈی ڈی کوسمبی نے اس خیال کو اس نظریہ کے تحت قابلِ قبول بتایا ہے کہ اس کی شاعری میں جابجا اس دور کے برہمنی اصولوں کی ناقدری اور ان سے بغاوت کا جذبہ کا اظہار ملتا ہے۔

بہرحال پروفیسر کوسمبی نے مذکورہ بالا سارے ممکنات کو حالات کی روشنی میں خوب اچھی طرح جانچنے اور پرکھنے کے بعد ان سب کو ممکنات کی حد تک ہی رکھا ہے۔ اور عقلی اعتبار سے ان میں سے کسی بھی مفروضے کو قابلِ قبول نہیں سمجھا ہے۔ بھرتری ہری کی شخصیت کے تیقن کی کوشش میں پروفیسر کوسمبی نے ایک طویل بحث کے بعد آخری نتیجہ یہی نکالا ہے کہ بھرتری ہری بہرحال ایک شاعر تھا۔ کیونکہ اس کی تخلیقات ''شتک ترایم'' کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ شخصی اعتبار سے وہ کون تھا؟ اور کیا تھا؟ اس بحث میں الجھنا تضیع اوقات سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوگا۔

اس عام نظریہ کے تحت کہ کسی فنکار کا فن اس کی شخصیت اور کردار کا آئینہ ہوتا ہے۔ ''شتک ترایم'' کی روشنی میں ہم اپنے طور پر بھرتری ہری کی ایک خیالی تصویر اس طرح بنا سکتے ہیں کہ وہ ایک عظیم مفکر، فلسفی اور شاعر تھا۔ جس نے زندگی کے ہر پہلو کو انتہائی غور و فکر کے ساتھ بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ ایک انتہائی رنگین مزاج اور دنیادار انسان تھا۔ مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت سے اسے خصوصی لگاؤ تھا۔ ممکن ہے کہ ''شتک ترایم'' اس کی عمر کے آخری دور کی تخلیق ہو۔ کیونکہ ''شرنگار شتک'' میں اس نے جنسی کاروبار کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ ایک آزمودہ کار اور جنسی طور پر آسودہ انسان کے ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عمر کے آخری حصے میں وہ بطور خود بھی رہبانیت کے مرحلے سے گزرا ہو۔ کیونکہ ویراگیہ شتک میں اس نے ایک تارک الدنیا شخص کے تجربات اور احساسات کو کمالِ مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

''نیتی شتک'' کی بعض نظموں کے مطالعہ سے یہ بات ممکنات کی حد تک پہونچ جاتی ہے کہ وہ ایک راجہ کا درباری شاعر تھا اور اس حیثیت سے اس نے اپنے احساسات اور تجربات کو انتہائی خوبی سے بیان کیا ہے۔

جرمن زبان میں ایم ونٹرنیٹز M. Winternitz کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ''ہندوستانی ادب کی تاریخ'' ہے۔اس کا انگریزی ترجمہ ایک ہندوستانی ادیبہ سبھدرا جھانے بعض اضافہ جات اور حواشی کے ساتھ کیا ہے۔اس کتاب کی جلد سوم حصہ اوّل میں فاضل مصنف نے بھرتری ہری کا ذکر بھی کیا ہے۔اور اس کی مشہور تصنیف ''شتک ترایم'' کا جائزہ وقیع انداز میں لیا ہے۔وہ لکھتا ہے۔

''چانکیہ کو حکیمانہ شاعری کا ایک اہم ستون خیال کیا جاتا ہے۔لیکن بھرتری ہری ایک ایسا حقیقی اور مکمل شاعر ہے جس کی تصنیف ''شتک ترایم'' کو جو شر نگار شتک، نیتی شتک اور ویراگیہ شتک پر مشتمل ہے۔اِسے ہندوستانی شاعری کی ایک عظیم اور اہم ترین تخلیق سمجھا جاتا ہے۔

اس تصنیف کا پہلا باب یعنی شر نگار شتک ہی اس قول کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔یہ عشقیہ شاعری کا بہترین مجموعہ ہے۔جس میں جذبۂ محبت اور صنف نازک کے بارے میں عام خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔اس باب کی ابتداء میں جہاں ایک طرف سچی محبت کی مسرتوں نیز نسوانی حسن اور دوسری جانب جوشِ محبت خصوصاً موسموں کی تبدیلی کے ساتھ اس کے تعلق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس باب میں کچھ ایسی نظمیں شامل ہیں جن میں پیار کی مسرتوں کا موازنہ ذہنی سکون کے ساتھ کیا گیا ہے۔جس کا حصول زہد و ریاضت، نیز دانشمندی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔اور باب کے آخری حصہ میں شاعر کا یہ احساس اجاگر ہونے لگتا ہے کہ عورت یعنی محبوبہ ایک میٹھا زہر ہے۔راستہ میں پڑا ہوا ایک سانپ ہے۔اور محبت ایک فریب ہے۔جو انسان کو دنیاوی مسرتوں کی جانب راغب کرتا ہے۔جبکہ اصل مسرت رہبانیت کی زندگی میں مل سکتی ہے۔ممکن ہے کہ مصنف کے بعد ان نظموں کے ترتیب کار نے ان کو اس انداز میں مرتب و مدوّن کیا ہو۔جس سے قاری کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ایک عام ہندوستانی کا ذہن جنسی تلذذ اور رہبانیت کے درمیان گردش کرتا رہتا ہے۔اور مذکورہ تصنیف کے تینوں ابوب کی ترتیب بھی اسی انداز میں کی گئی ہے کہ پہلے باب شر نگار شتک میں جنسی تلذذ کا بھرپور ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد دوسرے باب یعنی نیتی شتک (اخلاقیات) میں انسان کی بلند کرداری اور اخلاقی عظمت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں تیسرے باب یعنی ویراگیہ شتک میں رہبانیت کا ذکر کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسانی زندگی کا آخری اور پرسکون و پرمسرت مرحلہ رہبانیت ہی ہے۔

کتاب کی ترتیب کے بارے میں اس مخصوص تجزیہ سے قطع نظر اس تصنیف کی دو خصوصیات

قابلِ غور ہیں۔اوّل تو یہ کہ اس میں پوری طرح ہندوستانی ماحول کی عکاسی کی گئی ہے۔دوسرے یہ کہ پوری تصنیف اور اس کا پہلا باب دونوں اپنی اپنی جگہ پر مصنف کے کردار کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔

بھرتری ہری کی تصنیف ''شتک ترایم'' کے تینوں ابواب میں جو تین مختلف موضوعات پر مبنی ہیں۔پوری پوری اجتماعیت اور اپنے موضوع سے پورا پورا انصاف پایا جاتا ہے۔اس کی خصوصیت کے پیشِ نظر جے جے میئر J. J. Mayer نے بھرتری ہری کو'' قدیم ہندوستان کا ایک بہترین ذہن'' کہا ہے۔جو اپنی تخلیقات میں ایک ''مثالی ہندو'' کی عکاسی کرتا ہے۔جس کی فطرت میں شہوت پرستی اور تصوّف دونوں چیزوں کی آمیزش ہے۔

''شتک ترایم'' کا مطالعہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کسی دوسرے شاعر کے کلام کا الحاق ضرور ہوا ہے۔کیونکہ اس کی بعض بعض نظموں میں ایسی غرابت پائی جاتی ہے جو اس کو بھرتری ہری کے اصل رنگ سے ممیز کر دیتی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف کاتبوں نے اس میں دوسرے شعراء کا کلام اپنی مرضی سے شامل کر دیا ہے۔(یہ بات پروفیسر ڈی ڈی کوسمبی کی تحقیقات سے پوری طرح میل کھاتی ہے۔جنہوں نے پورے تفحص کے ساتھ ''شتک ترایم'' کے سارے دستیاب قلمی نسخوں کو کھنگال کر اس کی صرف دو سو نظموں کو بھرتری ہری کا اصل کلام بتایا ہے۔اور دیگر محققین بھی ان کے اس نظریہ سے متفق ہیں۔'')

اس بات کا فیصلہ ابھی تک نہیں کیا جاسکا ہے کہ شاعر بھرتری ہری اور ماہرِ علم القواعد بھرتری ہری کی شخصیت ایک ہی ہے یا دونوں الگ الگ شخصیات ہیں۔چینی سیاح آئی چنگ نے اپنے'' سفرنامہ ہند'' میں ایک جگہ بھرتری ہری نام کے ایک شاعر اور ماہر علم القواعد کی موت تقریباً ۶۵۱ء میں وقوع پذیر ہونا بتایا ہے۔اور اس کی تصنیفات میں'' واکیہ پدیا'' اور پاتنجلی کی تصنیف'' مہابھاشیہ'' پر ایک تبصرے کا ذکر کیا ہے۔البتہ اس نے اس فہرست میں ''شتک ترایم'' کو شامل نہیں کیا ہے۔

آئی چنگ نے بھرتری ہری کے بارے میں ایک کہانی بیان کی ہے کہ اس نے سات مرتبہ درویشی اختیار کی لیکن اس پر ثابت قدم نہ رہ سکا۔اور دوبارہ دنیاداری میں آ گیا۔اس لئے کہ وہ اپنے شہوانی جذبات پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔آئی چنگ نے اپنے سفرنامہ میں بھرتری ہری سے منسوب کرتے ہوئے ایک نظم بھی تحریر کی ہے۔جس میں اس نے اپنے شہوانی جذبات پر لعنت بھیجی ہے۔جن کی وجہ سے وہ درویشی پر قائم نہ رہ سکا۔اسی حقیقت کی بنا پر بھرتری ہری کے ایک مشہور محقق میکس ملر Max Muller نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ''شتک ترایم'' کا مصنف ہی ماہر علم القواعد بھرتری ہری تھا۔لیکن

عام قرائن کی بنیاد پر اس نظریہ کا کوئی مکمل ثبوت آج تک فراہم نہیں کیا جا سکا۔ ممکن ہے کہ اس روایت کے راوی آئی چنگ کو جو ایک دور دیس کا باسی تھا اور اس دور میں نقل و حمل کے وافر ذرائع بھی موجود نہیں تھے، ناکافی معلومات کی بناء پر یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑا ہو کہ یہ دونوں شخصیات ایک ہی تھیں۔ اس سلسلہ میں ایک غیر ملکی سیاح کے بیان پر یقین و اعتماد کر لینے کا مکمل جواز ہمارے پاس نہیں ہے۔

آئی چنگ نے بھرتری ہری کو بدھ مذہب کا پیرو بتایا ہے جبکہ شتک ترایم کی نظموں سے اس کے مصنف کا شیو کا پجاری برہمن ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس بات سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ شتک ترایم بھرتری ہری کے اس دور کی تخلیق ہو جب اس نے بدھ مذہب اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ شروع میں شیوجی کے ویدانت مذہب کا ماننے والا ایک دنیادار برہمن ہو اور ایک راجہ کا درباری شاعر رہا ہو۔ اور شتک ترایم کی تخلیق کے بعد اس نے بدھ مذہب اختیار کر لیا ہو۔ اور ایک بودھ راہب کی حیثیت سے اس کا انتقال ہوا ہو۔

جہاں تک آئی چنگ کی معلومات کا تعلق ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ماہر علم القواعد بھرتری ہری کی تصنیفات کے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں سنی ہوں اور اسے شاعر بھرتری ہری کی زندگی کے واقعات کسی ذریعہ سے معلوم ہوئے ہوں۔ (جو شتک ترایم کا مصنف بھی تھا) اور اس نے دونوں شخصیتوں کو ناکافی معلومات کی بنیاد پر خلط ملط کر دیا ہو۔

یہ روایت بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی کہ بھرتری ہری ہندوستانی تاریخ کے مشہور راجہ وکرمادتیہ کا بھائی تھا۔ ایک اور کہانی یہ ہے کہ بھرتری ہری خود ایک راجہ تھا۔ اسے زندگی کو جاوداں بنانے والا ایک پھل کسی برہمن نے پیش کیا تھا۔ بھرتری ہری نے وہ پھل اپنی عزیز ترین رانی کو دیا تھا۔ رانی نے وہ پھل اپنے ایک آشنا کو دے دیا۔ اس شخص نے وہ پھل خود نہ کھا کر اپنی ایک دوسری محبوبہ کو پیش کر دیا۔ اس عورت نے وہ پھل آخر کار پھر راجہ بھرتری ہری کو دیا۔ جس سے وہ محبت کرتی تھی۔ لیکن یہ دونوں روایتیں ابھی تک محتاجِ ثبوت ہیں۔ جو اس زمانہ کے عام حالات اور قرائن سے اس کا ابھی کوئی ثبوت حاصل نہیں ہو سکا۔ پروفیسر کوسمبی نے اس واقعہ کو لغو قرار دیا ہے۔ لہٰذا پورے یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بھرتری ہری وہی شخص تھا جو شتک ترایم کا مصنف تھا۔

بھرتری ہری پہلا ہندوستانی شاعر تھا جس کی شہرت یورپ تک پھیل گئی ہالینڈ کا ایک ہادی ابرہم روجر Abraham Roger جب ہندوستان آیا تھا تو پدم ناتھ نامی ایک برہمن نے اس کو بھرتری ہری کی اخلاقی تعلیمات سے روشناس کرایا تھا اور اس نے ان کا ذکر اپنی ایک تصنیف میں کیا

تھا۔ جو ۱۶۵۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب شتک ترایم کا ڈچ زبان میں ایک ترجمہ تھی۔اس کتاب سے ایک جرمن مصنف ہرڈر Herder نے بعض نظموں کا انتخاب کر کے ان کو جرمن زبان میں منتقل کیا تھا۔اس کے بعد کئی یورپی زبانوں میں ان کے ترجمے کئے گئے۔

بھرتری ہری کی تخلیق سنسکرت ادب کے کلاسیکی اور اس کے بعد جدید دور میں بھی کی گئی۔ بعض ناپختہ کار شاعروں نے بھرتری ہری کے مقام سے آگے بڑھ جانے کی کوشش میں پر تکلف بحور اور طرزِ اظہار کا استعمال کیا۔لیکن وہ بھرتری ہری کی بلند خیالی تک نہ پہنچ سکے۔مثال کے طور پر ایک کشمیری شاعر بھلّت نے جو راجہ شنکر دومن کے عہد میں گزرا ہے۔بھرتری ہری کی نیتی شتک کے جواب میں ''بھلّت شتک''تحریر کی تھی۔جس میں اس نے نیتی شتک سے مختلف بحروں کا استعمال کیا ہے۔

ایک اور کشمیری شاعر سلہانا نے بھرتری ہری کے ویراگیہ شتک کی مماثلت میں ''شانتی شتک'' لکھا تھا۔اس کی ایک نظم کا الحاق بھرتری ہری کے کلام میں بھی پایا گیا ہے۔اور اس کی ایک نظم ہرش دیو کی ''ناگ نندا'' میں شامل ہے۔بہرحال اس کا زیادہ تر کلام اس دور کی مختلف کتابوں میں پایا جاتا ہے۔اس بات کے لئے کافی ثبوت موجود ہیں کہ دوسرے لوگوں نے سلہانا سے سرقہ کیا تھا۔

سلہانا کی تصنیف ''شانتی شتک'' مذہبی موضوعات پر مبنی نظموں کا مجموعہ ہے جس میں زندگی کی بے ثباتی، رہبانیت کی اہمیت وعظمت نیز درویشوں کے حالاتِ زندگی بیان کئے گئے ہیں۔لیکن پوری تخلیق کا لہجہ اور اندازِ بیان یکساں اور اکتا دینے والا ہے۔''شانتی شتک''میں بھرتری ہری کی بہت سی نظموں کا الحاق ملتا ہے۔لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان کو لفظ بہ لفظ نقل نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ کچھ تحریف وتصریف کے بعد اصل خیال کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔بعض نظموں میں تبدیلیاں اس لئے کی گئی ہیں کہ بھرتری ہری نے شیو کو سب سے بڑا دیوتا مانا ہے۔اور سلہانا کی نظر میں یہ مقام وشنو کو حاصل ہے۔

بہرحال ''شانتی شتک''اور دیگر ''ویراگیہ شتک''کے مخطوطات میں اتنا فرق ملتا ہے کہ یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ کون سی نظم اصل تخلیق سے تعلق رکھتی ہے اور کون سی نظم اس میں بعد میں شامل کی گئی ہے۔

ناگ راج نام کے ایک شاعر نے جو تاک خاندان کا ایک راجہ تھا۔''بھاوشتک''کے نام سے پہیلیوں کا ایک مجموعہ تصنیف کیا ہے۔اور ہر پہیلی کے آخر میں اس کا جواب بھی بتایا گیا ہے۔اس طرح

ہم اس تصنیف کو امیر خسرو کی کہہ مکرنیوں کا پیش رو کہہ سکتے ہیں۔

گمانی نام کے ایک شاعر کی تخلیق ''اپدیش شتک'' کا سنہ تصنیف نہیں معلوم ہو سکا۔ اس میں مختلف کہانیوں اور روایتوں کے پردے میں اخلاقی پند و نصائح بیان کئے گئے ہیں۔

کشمیر کے راجہ ہرش دیو کے ایک درباری شاعر شمبھو نے ''انیوکتی مکت لتا'' نام کی ایک تخلیق پیش کی تھی۔

کسم دیو نام کے ایک غیر معروف شاعر نے ''درشٹانت شتک'' لکھی تھی۔ جن میں ایک سو ضرب الامثال اشعار کی شکل میں شامل ہیں۔ ہر شعر کے پہلے مصرع میں ایک دانشمندانہ نصیحت بیان کی گئی ہے۔ اور دوسرے مصرع میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

کالیداس کے مقابلہ میں قدرے کم شہرت یافتہ شاعر بھرتری ہری ہے۔ جس کے ''شر نگار شتک'' (عشقیہ سو اشعار) میں انتہائی خوبصورت خیالات کو نظم کیا گیا ہے۔

بھرتری ہری ایک انتہائی ذہین کامل فن اور عظیم شاعر ہونے کے علاوہ ایک فلسفی اور ماہر علم القواعد بھی تھا۔ جو ایک درباری شاعر تھا اور اس اعتبار سے اس دور کی مختلف جہات ثقافت کا گہرا علم رکھتا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ فقیری اور درویشی اختیار کر لی تھی۔ پھر بھی وہ علائق دنیا کی دل چسپیوں سے پوری طرح کنارہ کش نہ ہو سکا۔ بہر حال آخر میں وہ ایک بودھ خانقاہ سے منسلک ہو گیا تھا۔ اور اس نے بسنتی رنگ کا لباس زیب تن کر لیا تھا۔ اور اسی طرح رہبانیت کی زندگی گزارتے ہوئے ۶۵۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ایک مختلف انداز کی غنائیہ شاعری بھی سنسکرت کے کلاسیکی دور میں تخلیق کی گئی۔ جس میں جدیدیت کا عنصر کم اور ذاتیات کا عنصر زیادہ تھا۔ اس میں زیادہ مقدار اس تخلیقی صنف کا تھا جس کو عشقیہ شاعری کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جو اس دور کی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً بھرتری ہری کی چار مصرعوں والی مختصر نظمیں اسی دور کی پیداوار ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی عشقیہ شاعری بھی وجود میں آئی جس کا محرک بعض مذہبی حلقوں کی روایات تھیں۔ یا جو کرشن اور رادھا کی محبت کے واقعات پر مبنی تھی۔

بارہویں صدی عیسوی میں جے دیو نے ''گیت گوند'' لکھی تھی۔ جس میں وشنو کے اوتار کرشن کی رادھا کے ساتھ محبت کا ذکر جنسی میلانات کی روشنی میں کیا گیا تھا۔ اس عشقیہ نظم کا فنی معیار یقیناً بے مثال تھا۔ اس کے علاوہ بلھانا کی تصنیف ''چورا پنچاشیکا'' بھی ایک عشقیہ نظم تھی۔ جس کا سارا ماحول بھی رومانی تھا۔ اور اس میں اس دور کی مروّجہ شاعری کی طرح مذہبی موضوع کا سہارا نہیں لیا گیا تھا۔

بھرتری ہری کے اردو تراجم

اردو میں بھرتری ہری کی شاعری سے دلچسپی کا بنیادی سبب اقبال کی بالِ جبریل کے سرورق پر لکھا ہوا شعر ہے جو بھرتری ہری کے مشہور شلوک کا ترجمہ ہے۔ بھرتری ہری کے شلوک کا اقبال جیسی عظیم شخصیت کے پیش کردہ ترجمہ نے بھرتری ہری کو اردو عوام میں مقبول بنا دیا وہ شعر ہے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

جو زبان زدِ خاص و عام ہو گیا۔ اقبال نے بھرتری ہری کے شلوک کو جس اختصار، جامعیت اور شاعرانہ عظمت کے ساتھ اردو روپ دیا ہے، وہ اقبال جیسے عظیم شاعر ہی کا حصہ ہے۔ اس شعری ترجمے کی وجہ سے بھرتری ہری کی شخصیت اردو میں مقبول و معروف بن گئی، لیکن اقبال کا بھرتری ہری کے شعر کا ترجمہ غالباً اردو والوں سے بھرتری ہری کا دوسرا تعارف ہے۔ اقبال سے پہلے بھرتری ہری کی شاعرانہ عظمت سے اردو عوام ناواقف نہیں تھے۔ اردو میں بھرتری کے تینوں شتکوں کا نثری اور اولین ترجمہ میری معلومات کے مطابق دہلی کے عالم جناب گوری شنکر لال اختر کا ہے۔ یہ ترجمہ انہوں نے ۱۹۱۳ء میں کیا تھا۔[۱] شتک کے معنی سنسکرت میں سو (۱۰۰) کے ہیں، بھرتری ہری کے تین موضوعات یعنی سیاسی اخلاقیات (نیتی شتک) جمالیات (شرنگار شتک) اور ویراگ شتک (ترک دنیا یا رہبانیت) کے تحت سو سو نظمیں کہیں لہٰذا یہ مجموعۂ شاعری ترائی شتک، تین شتکوں کے نام سے سنسکرت ادب کا گرانقدر سرمایہ ہے۔ ان تینوں شتکوں کا ترجمہ بابو گوری شنکر اختر نے جو ہریانہ کے رہنے والے تھے اردو نثر میں کیا اور مقدمہ میں بھرتری ہری کی زندگی پر سیر حاصل معلومات فراہم کرتے ہوئے، تینوں شتکوں کی نظموں کے مضامین اور پیرایۂ بیان پر عالمانہ انداز سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے انہیں بھگتی وادی شاعر کے رنگ میں پیش کیا، اردو میں بھرتری ہری کی شاعری کے مکمل اور مفصل تعارف کا اعزاز بابو گوری شنکر لال اختر ہی کو جاتا ہے۔ اقبال کی بال جبریل کے سرورق کا مشہور شعر سنسکرت کے اس عظیم شاعر کا غالباً اردو میں دوسرا سب سے زیادہ مؤثر تعارف ہے اور عام

۱۔ جوہر تثلیث یعنی بھرتری ہری شتک مترجم بابو گوری لال شنکر اختر، رئیس زادہ کشنی، ضلع سلطان پور (اودھ) یہ ترجمہ انہوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں کیا تھا۔ گوری شنکر اختر کے خسر شیوورت لال ورمن نے بھرتری ہری کی زندگی پر ایک ناول 'شاہی فقیر' بھی لکھا تھا جو پہلے رسالہ شیو شمبھو میں شائع ہوا جو ۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۰ء گوری شنکر اختر کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوتا تھا۔

طور سے اردو داں دنیا بھرتری ہری سے اس شعر سے متعارف ہے۔

بابو گوری شنکر لال اختر نے بھرتری ہری کے شتکوں کو اردو جامہ پہنانے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''دس گیارہ مہینے کا عرصہ ہوا ہے۔ میں نے بھرتری ہری جی کے شتکوں کا غور کے ساتھ مطالعہ کیا، میرے دل میں ان کی وقعت پیدا ہوئی، دل نے کہا اردو پڑھنے والے اس نعمتِ بے بہا سے محروم ہیں تو ہمت کی کمر باندھ کر زبانِ اردو میں اس کا ترجمہ کر دے تاکہ ان کو بھی اس سے مستفیض و مستفید ہونے کا موقع ہاتھ آئے۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا۔ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ صرف اردو کی پرائمری جماعت تک تعلیم پائی۔ برس دو برس تک شریمان شیو برت لال جی مہاراج کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ ان کی صحبت اور خدمت کے فیض سے اس قابل بن گیا کہ کچھ شُد بُد کرنے لگا'' بابو گوری شنکر لال اختر کا یہ ترجمہ ہز ہائنس مہاراجہ دھیراج شریمان رانا صاحب بہادر والیٔ ریاست جوبلی (شملہ) کی سرپرستی میں شائع ہوا۔

اقبال کے شعری ترجمے کے ساتھ بھرتری ہری سے اردو والوں کی دلچسپی بڑھتی رہی، چنانچہ مختلف اوقات میں اردو کے مختلف شاعروں نے بھرتری ہری کی منتخب شاعری کے کبھی نثری اور کبھی شعری ترجمے کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اقبال کے بعد شاید دوسرا نام اردو کے مشہور جدید شاعر میرا جی کا ہے جنھوں نے بھرتری ہری کی چند نظموں کے نثری ترجمے کیے۔[1] میرا جی نے بھرتری ہری کے بارے میں ایک تعارفی نوٹ بھی لکھا ہے۔ میرا جی اپنے اس تعارفی نوٹ میں لکھتے ہیں:

''ویراگ شتک'' میں بہت سے شتک ایسے بھی ہیں جن میں بھرتری ہری نے کسی راجہ کو مخاطب کر کے بات کی ہے، کیا یہ بھرتری ہری کے علاوہ کوئی راجہ تھا جس سے بن باس کی زندگی گزارنے کے بعد بھرتری ہری کا سامنا ہوا یا بن باس کے زمانے میں زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے خود بھرتری ہری ہی اپنی ذات کی پہلی حیثیت یعنی راجہ کے رتبے سے خیال میں مخاطب تھا۔ جن دیوی دیوتاؤں (شیو، کالی وغیرہ) کا بھرتری ہری اپنے اقوال میں ذکر کرتا ہے، خصوصاً ویراگ شتک کے حصے میں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شکتی کا پجاری تھا۔ یہ درست بھی ہے، اس نے تخت و تاج کو اپنی رانی کی بے وفائی کی وجہ سے دنیا سے بیزار ہو کر چھوڑا لیکن راجہ کی حیثیت سے اس

۱- میرا جی نے بھرتری ہری کی آٹھ نظموں کے ترجمے کیے ہیں۔ (دیکھیے شعر و حکمت (سہ ماہی) دورِ دوم، کتاب-۱، مرتبین: شہریار و مغنی تبسم (مکتبہ شعر و حکمت، حیدرآباد) ص ۷۲-۷۱

کا مذہب تو کشتری کا مذہب ہی ہوگا۔ اس نے دنیا چھوڑی لیکن دنیا کے ساتھ ہی رہا۔ دین پر اس نے بنفسہٖ زیادہ غور نہ کیا شاید اس لئے کہ تیاگ اور ویراگ کی زندگی کا محرک بیوی کا مسئلہ یعنی ایک دنیوی مسئلہ تھا۔

کسی کسی جگہ ایک حصے کے اقوال ایک سے زیادہ حصوں میں نقل ہو گئے ہیں، معلوم نہیں یہ شاعر کی بھول ہے یا بعد کے نقل نویسوں کی مثلاً ویراگ کے اقوال نیتی میں اور شرنگار کے اقوال ویراگ میں۔

نیتی شتک کے اقوال محض ہرزہ گوئی کے اقوال ہی معلوم ہوتے ہیں، ان میں اندازِ بیان یا ادب کی کوئی اور شاعرانہ خوبی وغیرہ نہیں دکھائی دیتی۔ چونکہ اس مضمون کا مقصد بھرتری ہری کو ایک مصلح کے بجائے ایک شاعر کی حیثیت سے پیش کرنا ہے اس لئے نیتی شتک سے میں نے صرف چار اقوال لئے ہیں۔ ویراگ شتک میں اندازِ بیان کی خوبی بھی اکثر پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں روایتی خشکی اور بیزاری کے بجائے بے دلی کا ایک بے ساختہ خلوص نمایاں ہے۔ دوسرے اس میں بہت سے اقوال ایسے ہیں جن کا بالواسطہ یا براہ راست تعلق تیسرے شتک یعنی شرنگار شتک سے ہے، اور شرنگار شتک ہی ایک ایسا حصہ ہے جس میں اگر کسی جگہ اندازِ بیان یا ادبی درجہ کم بھی ہو جائے تو کم سے کم عورت کا ذکرِ خیر و شر اس کی تلافی کر دیتا ہے۔ نیز میرا مقصد بھرتری ہری کی شاعرانہ حیثیت کو بتانے کے علاوہ ہندوستان میں محبت کی شاعری کا ایک اور نمونہ پیش کرنا بھی ہے۔[1] مرزا جعفر علی خان اثر لکھنوی کا شمار اردو کے ممتاز شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۲/ جولائی ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی سے کلام پر اصلاح لی۔ خود فرماتے ہیں

اثر ہے نام، وطن لکھنؤ، عزیز استاد
نکالتا ہوں نئے راستے زباں کے لئے

اثر لکھنوی کا شمار اساتذۂ سخن میں ہوتا ہے۔ ان کے متعدد شعری مجموعے شائع ہوئے۔ جن میں اثرستان، بہاراں، رنگ بست، لالہ و گل، نو بہاراں وغیرہ شامل ہیں۔ اردو تنقید میں ان کے مضامین کا مجموعہ ''چھان بین'' اور انیس کی مرثیہ نگاری اور مطالعۂ غالب مشہور ہیں ''فرہنگ اثر'' بھی ان کی یادگار ہے۔ ۶/ جون ۱۹۶۷ء کو لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

اثر لکھنوی کا مجموعۂ کلام ''رنگ بست''، مشرق و مغرب کی شاہکار نظموں کا مجموعہ ہے۔[2] جس

۱۔ (شعر و حکمت، دورِ دوم، ص ۷۰-۶۹
۲۔ مطبوعہ اردو اکیڈمی، لاہور

میں سنسکرت سے ''رگ وید'' کے اشلوکوں کے علاوہ بھرتری ہری کے بھی چند ترجمے شامل ہیں۔ بھرتری ہری کے یہ چند ترجمے خالی از دلچسپی نہیں لہٰذا انہیں قارئین کی دلچسپی کی خاطر ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمے حقیقتاً زبان کے لئے نئے راستے تلاش کرنے کی مثالیں ہیں۔

وقت

وقت کی بنیاد پر دہر کی تعمیر ہے
خواب ہے سارا جہاں اور یہ تعبیر ہے
اس کی ہی آغوش میں سونا ہے پھر ایک بار
اس کے سوا اور کچھ شرح نہ تفسیر ہے

جب سے ہم آئے یہاں، قافلہ بھی ہے رواں
اس کی خبر کچھ نہیں کس کی ہے منزل کہاں
جانتے ہیں اس قدر سب کو ہے جانا ضرور
وقت حدی خواں بھی ہے، وقت ہی میل نشاں

جیسے ہوا میں جھکیں پودوں کے سر بار بار
وقت کا فرمان کوئی ٹالے نہیں اختیار
اس کے اشارے پہ جب ہوتی ہیں خم گردنیں
مرنے کہ جینے پہ کیوں روئیے پھر زار زار

جاہل کی تربیت

تم ریت کو خوب اگر نچوڑے جاؤ
ممکن ہے کہ تیل اُس سے نکل ہی آئے
یا دشت میں اک پیاس کا مارا رہرو
موجوں میں سراب کی بھی پانی پائے
ممکن ہے اسی طرح، تگ و دو کے بعد
خرگوش وہ مل جائے کہ ہوں جس کے سینگ

لیکن کرو تم لاکھ جتن یہ ہے محال
سمجھانے سے جاہل کرے ترک اپنی ڈینگ

چوری

چاندنی چھاؤنی چھائے تھی ادھر گلشن میں
محوِ گلگشت ادھر رشک قمر گلشن میں
"کنج میں کیجئے آرام" نزاکت نے کہا
بچھ گئے چار طرف دام نظر گلشن میں
ناز سے اس نے اُدھر بند قبا کھول دیئے
اور غنچوں نے ادھر دستِ دعا کھول دیئے
دل سے مجبور تھا، جھانکا......تو بھلا کیا دیکھا
ایک نازک سی کرن کا یہ تماشا دیکھا
دبکی دبکی بڑھی، عارض کی بلائیں لے لیں
لعل لب چومے، نہ وہ چونکی، سلیقا دیکھا
چپکے سے اڑ گئی وہ رقص کناں سوئے فلک
مجھ پہ لے دے ہے نہیں جاتا گماں سوئے فلک

کام

کام یہ پورا ہوا اور یہ ادھورا ہے ابھی
اور فلاں کی ابتدا لازم ہے اس کے بعد ہی
تھے ابھی الجھے ہوئے ان دھندوں میں ناداں غریب
موت نے ناگاہ جنگل میں دبوچا، یا نصیب

آج کا دن ہے ترا، کرلے جو کچھ ارمان ہے
آنکھ جھپکی اک ذرا اور کوچ کا سامان ہے
اور کچھ ہو یا نہ ہو اس جانفشانی کا مآل
سانس ٹوٹے کام چھوٹا، دیگا تسکیں یہ خیال

دورِ جدید کے مشہور اردو شاعر حسن نعیم کا شعر ہے ؎

روز مجھ سے پوچھتا ہے کون اتنے پیار سے
وقت کتنا ہو چکا ہے ، کام کتنا رہ گیا

چندرائی

"درخت اشوک کے بیکار ہے ترا انکار"
دہکتی آگ چتا کی ہے یا تری شاخیں
خبر بھی ہے تجھے کملا گئیں ہری شاخیں
یقین آئے گا کس کو کہ تو نہیں شیدا
کہیں چھپائے سے چھپتا ہے راز الفت کا
چلے گی مجھ سے نہ ہرگز یہ تیری چندرائی
نہ ہوتا عشق تو ہوتا یہ رنگِ رعنائی
بہانے چھوڑ دیتا ہے کہاں وہ جانِ بہار
بہار اسی سے ہے ورنہ کہاں یہ شانِ بہار
ادھر ہی آئی ہے ہاں ہاں ضرور آئی ہے
یہ آگ تفرقہ کی تیری ہی لگائی ہے

"درخت اشوک کے بیکار ہے ترا انکار"

نسیم ہے تری شاہد کہ تو نہیں واقف
نہ اس سے تو ہے نہ تجھ سے وہ نازنیں واقف
یہ ٹھنڈی سانسیں یونہیں بھر رہا ہے تو گویا
میں ہی تو دیدۂ شبنم سے رات بھر رویا
وہ پھول باغ جوانی کا ، جانِ محبوبی
مہ دو ہفتہ مقابل میں داغ مجوبی

ملی نہ ہوتی جو تجھ سے تو کیا یہ ممکن تھا
مری ہی طرح نہ تو خاک چھانتا پھرتا
لچکتیں شاخیں اس انداز دلربائی سے
ارے پناہ ترے دیدے کی صفائی سے
''درخت اشوک کے بیکار ہے ترا انکار''

بھرتری ہری کے منتخب اشلوکوں کا نثری ترجمہ جے کرشن شنکر چودھری نے ۱۹۵۹ء میں کیا تھا۔ جس پر شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی نے پیش لفظ لکھا تھا۔ جے کرشن چودھری نے کل ۱۸۲ اشلوکوں کو اردو میں منتقل کیا ہے جن میں ''نیتی شتک'' کے بیس، شرنگار شتک کے انیس اور ویراگ شتک کے تینتالیس شلوکوں کے ترجمے ہیں۔

تلوک چند محروم نے بھی بھرتری ہری کے چند شلوکوں کے منظوم ترجمے کئے ہیں۔ محروم کا ایک ترجمہ بطور مثال پیش ہے۔

جو ہے صاحب زر وہی ہے نجیب
وہی حاصلِ دہر ہے اور ادیب
وہی لائق دید ہے، خوش بیاں
غرض، زر میں شامل ہیں سب خوبیاں

جناب رگھوویندر راؤ جذب عالم پوری کا شمار سیماب اکبرآبادی کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ جذب عالم پوری کی مادری زبان کنڑتھی، مگر فارسی، اردو، عربی، تیلگو میں بھی مہارت رکھتے تھے اور سنسکرت زبان وادب پر انہیں عبور حاصل تھا۔ ان کے کئی مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ انہوں نے بھی بھرتری ہری کے ''نیتی شتک'' کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا۔ یہ کتاب آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی حیدرآباد سے اصلی سنسکرت متن کے ساتھ تیلگو اور اردو تراجم کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔ تاہم اس کا مقدمہ مشہور عالم ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ (لیکچرر اورینٹل کالج، پنجاب) نے ۵ر فروری ۱۹۳۵ء کو لکھا تھا۔ غالباً یہی اس کا سنہ اشاعت بھی ہوگا۔ بھرتری ہری کے جو ترجمے دیگر زبانوں میں ہوئے ہیں وہ عموماً ''نیتی شتک'' کے ہیں اس کی غالباً ایک وجہ یہی ہے کہ ہماری فکری روایت اخلاقی مضامین سے جڑی ہوئی ہے۔

جذب عالمپوری کے چند تراجم ملاحظہ ہوں۔

عاقل حاسد ہیں اور مغرور ہیں شاہ
باقی جو ہیں نافہم ہیں اللہ اللہ
اس واسطے جو ہیں تیری شیریں سخنی
سب جذب مجھی میں ہوگئی ہے اے آہ

☆

ناواقف کے لئے آساں تفہیم
یہ اور بھی آساں جسے ہے عقل سلیم
کم فہم کو گر ہو ہمہ دانی کا غرور
سمجھا سکتا نہیں ہے خلاقِ عظیم

اوراقبال کے ترجمے ۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

کا مفہوم رکھنے والے دو اشلوکوں کا جذب صاحب کا ترجمہ ملاحظہ ہو ۔

دانتوں سے مگرمچھ کے نکالیں موتی
ممکن ہے شناوری سمندر کی بھی
ممکن ہے کہ سانپ ہار پھولوں کا بنے
کیا اس کو منائیں جو ہو ناداں ضدی

اور

مٹی سے نکالنا ہے روغن آساں
ممکن ہے مئے سراب سے آبِ رواں
خرگوش کے بھی سینگ ہیں آسان مگر
مشکل ہے وہ راست پہ آئے ناداں

اور

جاہل کو رہ راست پہ لانا گویا
شاخِ گل سے ہے باندھنا ہاتھی کا

جیسے کوئی برگِ گل سے ہیرا کاٹے
یا شہد کی بوند سے سمندر میٹھا

جذبؔ عالپوری کے یہ تراجم رواں دواں اور بے حد متاثر کن ہیں۔ ان میں سنسکرت کی اصل سوچ کو فنکاری کے ساتھ اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔

''شاعرِ اعظم بھرتری ہری'' کے زیرِ عنوان امتیاز الدین احمد نے بھرتری ہری کے تینوں شتکوں کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔[1] (مطبوعہ اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء) اس میں ''نیتی شتک'' سے اٹھانوے، ''شرنگار شتک'' سے سو اور ''ویراگ شتک'' سے سو اشلوکوں کے ترجمے شامل ہیں۔ اس طرح یہ مستند دو سو اشلوکوں کے مقابلہ میں عام دستیاب تین سو اشلوکوں میں سے دو سو اٹھانوے اشلوکوں کے منظوم ترجمے ہیں۔

امتیاز الدین نے پابند منظوم ترجمے کئے ہیں اور بہت اچھے ترجمے ہیں، پابند تراجم سے ان کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے بڑی احتیاط برتی ہے۔ محروم صاحب کے ایک ترجمہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اسی کا ترجمہ امتیاز الدین احمد نے بھی کیا ہے۔ یہ ترجمہ اپنی شعریت اور آہنگ کی وجہ سے زیادہ متاثر کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

زر جس کے پاس ہے وہ شریف و نجیب ہے
وہ عالم و فقیہہ و ادیب و خطیب ہے
مشتاقِ دید خلق ہے اس خوش جمال کی
وہ باکمال ہے جسے دولت نصیب ہے

اقبالؔ کے بال جبریل کے سرنامہ کے ترجمے کے مفہوم کو پیش کرنے والے ترجمے کو جو مختلف مترجمین نے کیا ہے اور جس کا ذکر سطورِ بالا میں کیا گیا ہے، اس کا امتیاز الدین احمد کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

ممکن ہے ریت متھنے سے ہو تیل دستیاب
سیراب کردے تشنہ لبوں کو کبھی سراب
جنگل میں ڈھونڈ سکتے ہو خرگوش سینگ دار
ناداں کی ضد کا پا نہ سکو گے کہیں جواب

اور

کیا کمل کی نال نے باندھا ہے فیل بے لگام؟
شہد کی اک بوند سے کھارا سمندر ہو قوام؟
کیا سرس کے پھول سے بیندھا گیا ہیرے کا دل؟
رام کر لے گا بھلا نادان کو شیریں کلام

امیتاز الدین احمد نے جے. کرشن چودھری کے ذیل کے نثری ترجمے:

''کنول کی نازک ڈنڈی (شاخ) سے ہاتھی کو باندھا جا سکتا ہے، ہیرے کو سرسوں کے پھول کی پتی سے بیندھا جا سکتا ہے، شہد کی ایک بوند سے کھارے سمندر کو میٹھا کیا جا سکتا ہے، لیکن مردِ ناداں کو میٹھی باتوں سے رام کر لینا سعیِ لاحاصل ہے۔'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ''سرسوں کے پھول کی پتی سے اختلاف کرتے ہوئے، اپنا تحقیقی نقطۂ نظر مدلل انداز سے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اصل شلوک میں لفظ ''سریش'' استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے معنی سرس یا سرسا ہیں۔ یہ شیشم کی طرح کا ایک درخت ہے جس کے پھول میں پنکھڑیاں یا پتیاں نہیں ہوتیں۔ اس میں نہایت نرم ریشے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے سرس کا پھول نازک ترین پھول تصور کیا گیا جاتا ہے۔ تلسی داس جی نے بھی رام چرتر مانس میں سرس سمن کی نزاکت کا ذکر کیا ہے۔[1] امتیاز الدین احمد کا یہ تحقیقی استدلال قابلِ داد ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے ہندی کے مترجمین نے بھی اپنی شرح میں اسے ''سرس'' کی بجائے ''مولسری'' لکھا ہے۔[2] ۱۹۸۵ء میں یوسف ناظم نے بھی بھرتری ہری کی ۳۰ منتخب نظموں کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمے بھی ان کی قادر الکلامی کی مثال ہیں، البتہ ان ترجموں کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ''بھرتری ہری'' کا کوئی ایک متن ان کے پیش نظر نہیں رہا، انہوں نے مختلف انگریزی مترجمین کے یہاں سے ایک ایک نظم لی ہے اور اسے اردو میں پیش کیا ہے، لہٰذا یہ ترجمے بھرتری ہری کے ترجموں سے زیادہ مختلف انگریزی شعراء کے ترجمے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً Dixon Scott کے ترجمے اصل سے بہت دور ہیں اور یہی اصل سے دور ترجمے یوسف ناظم کی دین ہیں۔ ان ترجموں میں البتہ اصل نظم کا تاثر باقی ہے۔

۱- امتیاز الدین احمد: شاعرِ اعظم بھرتری ہری (مقدمہ ص ۱۵-۱۴) مطبوعہ اتر پردیش اردو اکیڈمی ۱۹۸۳ء۔ انگریز مترجمین جیسے B. H. Wortham (۱۸۸۶ء) نے بھی 'سریس' ہی استعمال کیا ہے۔

۲- اس سلسلہ میں مشہور محقق اور اسکالر محترمہ ڈاکٹر زینت ساجدہ (حیدرآباد) نے مجھے بتایا کہ جناب برق آشیانوی نے اپنے مضمون مطبوعہ ''سیاست'' (حیدرآباد) میں ایک پودے کا ذکر کیا ہے، جس کے عرق سے مزدور پتھروں کو کاٹنے کا کام کرتے تھے۔ باوجود تلاش کے برق آشیانوی اک یہ مضمون مجھے حاصل نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر عصمت جاوید بمبئی اور اورنگ آباد میں اردو کے استاد رہے ہیں۔ زبان و ادب اور تحقیق و تنقید ان کے اہم موضوعات تھے۔ وہ نثر و نظم کے ایک کامیاب مترجم بھی تھے۔ اقبال کی "اسرارِ خودی" کا اردو ترجمہ ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ عصمت جاوید نے مختلف زبانوں سے اردو میں ترجمے کئے ہیں۔ جن میں بھرتری ہری کے چند شلوکوں کے منظوم ترجمے بھی شامل ہیں۔ اگر چہ ان ترجموں کا مقابلہ بھرتری ہری کے دیگر مترجمین خصوصاً جذب عالمپوری یا امتیاز الدین احمد کے تراجم سے نہیں کیا جاسکتا پھر بھی یہ اچھے ترجمے ہیں۔ ذیل کے ترجمے اس کی مثال ہیں۔

ریت سے تیل نکل سکتا ہے، بھلے نہ ہو آسانی سے
پیاس سراب سے بجھ سکتی ہے، جیسے بجھائیں پانی سے
سینگ بھی خرگوش کے ہوں گے پوچھ کسی سیلانی سے
لیکن ناممکن کو روکیں ناداں کو نادانی سے

اور

مگر کا چیر کر جبڑا کوئی موتی نکالے گا چلو ہم نے اسے مانا
کوئی طوفان سے لڑتا ہوا ساحل کو جالے گا، اسے بھی ہم نے سچ جانا
سمجھ کر پھول کوئی سانپ بھی سر پر سجالے گا ہے ممکن گرچہ بے معنی
کوئی ناداں کا دل اس کو لگی دھن سے ہٹالے گا، یہ ناممکن ہے نا۔ نا۔ نا

اور

ہیرا بھی سرسوں کی پتی سے چاہو تو کٹ سکتا ہے
ایک سمندر کا کھاری پن، شہد کی بوند سے گھٹ سکتا ہے
کنول کے ڈنٹھل سے ہاتھی کو باندھ کے رکھ سکتا ہے کوئی
لیکن اک ناداں کی کایا علم سے کون پلٹ سکتا ہے

جذب عالمپوری کی طرح جو اصل سنسکرت سے ترجمے ہیں رگھوناتھ گھئی نے بھی "لمعاتِ بصیرت" کے نام سے بھرتری ہری کے اصل سنسکرت سے ترجمے کئے ہیں۔ آج سے نصف صدی قبل تک ہمارے ادیبوں اور شاعروں میں اردو فارسی کے مقابلہ میں کم ہی سہی لیکن اردو اور سنسکرت کے بھی دولسانی ادیب و شاعر موجود تھے۔ جذب عالمپوری اور رگھوناتھ گھئی کا شمار ایسے ہی اردو اور سنسکرت کے دولسانی شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان دونوں مترجمین کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے

بھرتری ہری کے شعری ترجمے اصل سنسکرت سے کئے ہیں۔ سنسکرت زبان و ادب میں لفظ و معانی، تشبیہہ و استعارہ اور دیگر صنائع بدائع (النکار) مختلف النوع اور جاذب نظر زیور ہیں اور ان سے گہری واقفیت سنسکرت سے ترجمہ کرنے کے لئے اور ان تراجم کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ اس سے سنسکرت زبان کی نزاکتیں اور ادبی حسن کے ساتھ معانی کی تہیں کھل جاتی ہیں۔ ''لمعاتِ بصیرت'' کی یہ بڑی خوبی ہے کہ شاعر اصل کی روح کو ادبی صنائع کے ساتھ اردو میں منتقل کرنے میں کامیاب ہے۔ انگریزی اور ہندی کی مدد سے بھی یہ ترجمے کئے گئے ہیں اور اس طرح کے تراجم کا جواز یقیناً ہے۔ اس طرح کے ترجمے اصل سے ترجمہ کے مقابلہ میں دقّت طلب ہوتے ہوئے محنت طلب بھی ہوتے ہیں، تاہم یہ ناممکن العمل نہیں ہوتے۔ یوں بھی ترجمہ نگاری کی اپنی حدود ہوتی ہیں اور ترجمہ انہیں حدود میں کیا جاتا ہے، لہٰذا براہ راست ترجمہ ہو یا بالراست، تراجم سو فیصد کامیاب نہیں ہوتے اور وہ صرف تاثر قائم رکھتے ہیں۔ ''لمعاتِ بصیرت'' کے تراجم میں بھی اصل سے مطابقت کے ساتھ لفظی سطح پر سہو ہوئے ہیں لیکن اس کی وجہ دو زبانوں کا تہذیبی و لسانی فرق ہے جس کی وجہ سے متبادل الفاظ کی بجائے روحِ اصل پیش کرنے کی کامیاب کوشش ہے۔

''لمعاتِ بصیرت'' کی تقریظ مشہور دانشور ڈاکٹر کرن سنگھ نے لکھی ہے۔ اپنے ''معروضات'' میں ویدک فلسفے کے حوالے سے چند وضاحتیں پیش کرنے کے بعد، آریائی فلسفے میں برہما، وشنو اور مہیش کی وضاحت کی گئی ہے جو برہمانڈ کو چلا رہی ہیں۔ ویدک فلسفے کی یہ وضاحتیں عام قاری کے لئے دلچسپ بھی ہیں اور ضروری بھی اس لئے کہ یہی وضاحتیں بھرتری ہری کی تفہیم میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

''لمعاتِ بصیرت'' کے مترجم نے اس بات کی البتہ وضاحت نہیں کی کہ ترجمہ کرتے وقت کون سا متن ان کے سامنے تھا۔ ''ترائی شتک'' کے مختلف متن شائع ہوئے ہیں اور سبھی متون میں شلوکوں کی تعداد مختلف ہے۔ تین شتکوں کی مناسبت سے یہ سو سو کے تین حصوں پر مشتمل ہونے چاہئے مگر مختلف نسخوں میں ان کی تعداد کہیں کم اور کہیں زیادہ ہے۔ رگھوناتھ گھئی کی ''لمعاتِ بصیرت'' میں یہ تعداد اس طرح ہے :

نیتی شتک	:	۱۱۰ شلوک
شرنگار شتک	:	۱۰۳ شلوک
ویراگ شتک	:	۱۰۰ شلوک

اس طرح "ترائی شتکوں" کی تعداد ۳۰۰ کی بجائے ۳۱۳ ہو جاتی ہے۔ خود انگریزی میں مترجمہ "ویراگ شتکم" از سوامی مادھونندا میں بھی ۱۰۰ شلوک ہیں۔ اس لحاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بھرتری ہری کے اردو مترجمین نے متداول متون کے ترجمے کئے ہیں اور عام طور پر ان متداول متون میں تعداد تین سو سے زیادہ ہی ہے۔ رگھوناتھ گھئی کے ترجموں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہر شلوک کے ترجمہ کو ایک عنوان بھی دیا ہے، جو ان کی اختراع ہے۔

بھرتری ہری کی منتخب نظموں کے ترجمے مختلف سنسکرت کے عالموں نے انگریزی میں کئے ہیں، ان مترجمین میں ایک اہم نام پروفیسر جان بروف کا بھی ہے جو لندن یونیورسٹی میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء تک اور اس کے بعد کیمبرج یونیورسٹی میں سنسکرت زبان و ادب کے پروفیسر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے عالمانہ مقدمہ کے ساتھ "سنسکرت نظمیں" (Poems from Sanskrit) کے تحت کالیداس کی وکرم اروسی اور کمار سنبھو کے علاوہ سنسکرت ادب کی منتخب مختصر نظموں کے ترجمے بھی کئے ہیں۔ ان نظموں میں پروفیسر جان بروف نے بھرتری ہری کی منتخب ۳۴ نظمیں شامل کی ہیں۔ ترجمہ ایک انفرادی فعل ہے اور ہر مترجم ایک ہی نظم کا ترجمہ مختلف انداز سے کرتا ہے۔ بار بر اسٹولر ملر اور برو کے ترجمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ بار بر اسٹولر ملر کے دو ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

A man may tear a jewel
from a sea monster's jaws
cross a tumultuous sea
of raging tides,
or twine a wrathful serpent
garland-wise on his head.
But no man can please
the mind of an obstinate fool.

He ventures to tether a vicious elephant
with filaments of tender lotus.
to cut an adamantine gem
with petals of silk-tree blossoms,
to render sweet the saline sea
with a single drop of honey,
who tries to lead wicked men to the path of the good
with mellifluous words of wisdom.

انہیں دو نظموں کے ترجمے پروفیسر جان برو نے اس طرح کئے ہیں:

If you can snatch the jewel a crocodile
Holds in its teeth, If you can swim across the ocean, while
the tempest roars, If round your head unruffled, you can wind
A poison snake, You still can't hope to change the stubborn mind
of a born fool.

☆☆

If only you squeeze hard enough, you will
press oil from sand; And, if you are thirstry, even drink your fill
from a mirage. Sooner or later you may somewhere find a
rabbit's horn: But never hope to change the stubborn mind
of a born fool.

ان ترجموں کے مقابلے سے اندازہ ہوگا کہ دونوں مطابق بہ اصل ہوتے ہوئے اور ایک ہی تاثر دینے کے باوجود ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور دونوں ترجموں کی لفظیات اور لہجہ ایک دوسرے سے الگ ہے۔

انگریزی ترجموں کی طرح اردو تراجم میں بھی یہی صورت حال ہے۔ مذکورہ نظموں کے مختلف اردو تراجم سے بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ رگھو بیندر راؤ جذب عالم پوری نے انہیں نظموں کے ترجمے اس طرح کئے ہیں ۔

دانتوں سے مگرمچھ کے نکالیں موتی
ممکن ہے شناوری سمندر کی بھی
ممکن ہے کہ سانپ ہار پھولوں کا بنے
کیا اس کو منائیں جو ہو ناداں ضدی

اور

مٹی سے نکالنا ہے روغن آساں
ممکن ہے ملے سراب سے آب رواں
خرگوش کے بھی سینگ ہیں آسان مگر
مشکل ہے رہِ راست پہ آئے ناداں

امتیاز الدین خان کے تراجم ملاحظہ ہوں ۔

دانتوں سے نہنگ کے بھی موتی ممکن ہے کہ کھینچ لے دلاور
ممکن ہے کہ بحر بیکراں کو طوفاں میں طے کرے شناور
ممکن ہے کہ کوئی اپنی چوٹی پھنکارے ناگ سے گوندھے
لیکن یہ محال ہے کہ ناداں، داناؤں کی بات کرلے باور

اور

ممکن ہے ریت متھنے سے ہو تیل دستیاب
سیراب کردے تشنہ لبوں کو کبھی سراب
جنگل میں ڈھونڈ سکتے ہو خرگوش سینگ دار
ناداں کی ضد کا پا نہ سکو گے کہیں جواب

اثر لکھنوی نے انہیں دو نظموں کو اردو کا جامہ یوں پہنایا ہے ؎

تم ریت کو خوب اگر نچوڑے جاؤ
ممکن ہے کہ تیل اس سے نکل ہی آئے
یا دشت میں اک پیاس کا مارا رہرو
موجوں میں سراب کی بھی پانی پائے

اور

ممکن ہے اسی طرح تگ و دو کے بعد
خرگوش وہ مل جائے کہ ہوں جس کے سینگ
لیکن کرو تم لاکھ جتن یہ ہے محال
سمجھانے سے جاہل کرے ترک اپنی ڈینگ

انہیں نظموں میں سے ایک نظم کا ترجمہ یوسف ناظم کا بھی ملاحظہ کیجئے ؎

یہ ممکن ہے مگر مچھ سے لڑو اور فتح پا جاؤ
یہ ممکن ہے سمندر پار کرلو گرچہ طوفاں ہو
یہ ممکن ہے گلے میں اپنے تم اک سانپ لٹکالو
جو زندہ بھی ہو، زہریلا بھی، قاتل بھی
یہ سب کچھ کرسکو گے تم مگر سن لو

یہ ناممکن ہے تم اس شخص سے جیتو
غضب کا جو کہ ضدی ہو، ازل سے جو کہ ناداں ہو

بھرتری ہری اور اقبال:

اقبال اردو کے بلند قامت اور عظیم شاعر ہیں، جنہوں نے اپنی تخلیقی فکر کے ساتھ مشرق و مغرب کے دانشوروں اور فلسفیوں سے استفادہ کر کے اپنی فکر کو جلا بخشی، انہیں جہاں جو چیز اچھی لگی اور انکی فکر کے معیار پر اتری اسے انہوں نے قبول کیا۔ ایک مفکر اور عالم کی حیثیت سے اقبال کا ذہن من وتو کی تفریق سے بالاتر ہے اور وہ انسان کی عظمت کے شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ ان کے یہاں تنگ دلی نہیں بلکہ وسعتِ قلبی کا مظاہرہ ہوتا ہے، لہٰذا جہاں وہ قرآنی اور اسلامی تعلیمات کو اپنے فکر وفلسفہ کی بنیاد بناتے ہیں وہیں پر وہ مشرق و مغرب کے فلسفیوں سے بھی استفادہ کرتے ہیں اور ان فکری سوتوں سے اپنے شاعری کو جلیل و جمیل اور ذہن وفکر کے لئے کارآمد بناتے ہیں۔ انہوں نے قرآن، احادیث، مولانا روم، محی الدین ابن عربی اور دیگر متعدد حکمائے اسلام کے ساتھ مغربی فلسفوں اور فلسفیوں سے بھی استفادہ کیا ہے، نطشے، کانٹ، برگساں، گیٹے وغیرہ اس سلسلہ کے چند اہم نام ہیں۔ انہیں اپنے وطن عزیز کے فکری سوتوں سے بھی ذہنی قرب رہا ہے، ان کی خاک خود برہمن زاد تھی، لہٰذا مقامی فکر وفلسفہ بھی ان کی فکر کا ایک اہم منبع رہا ہے انہیں اپنے وطن سے بے پناہ محبت رہی ہے، وہ اپنے مذہبی افکار میں بھی افتراق اور اختلاف پر نہیں بلکہ دوستی، یگانگت اور احترام آدم پر زور دیتے ہیں۔ وہ بتوں سے بیزاری کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ شائستہ زنار بننے کی تلقین کرتے ہیں، چنانچہ اقبال اسرارِ خودی میں لکھتے ہیں ؎

من نہ گویم از بتاں بیزار شو — کافری؟ شائستہ زنار شو
ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور — تو ز آذر، من ز، ابراہیم دور
قیس ما سودائی محمل نہ شد — درجنونِ عاشقی کامل نہ شد

اقبال کی یہی فکری اساس ہے جس کی بنیاد پر وہ گایتری کا منتر بھی گاتے ہیں، نئے شوالے کی تعمیر کا خواب بھی دیکھتے ہیں، سوامی رام تیرتھ کو بھی خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور نانک و چشتی کے نغمے بھی الاپتے ہیں۔ اقبال اوّل تا آخر بلا تفریق مذہب و ملت محبت کی زنار میں گرفتار رہے۔ یہ سنسکرت زبان ادب اور ہندوستان کی عمیق تہذیبی تاریخ کے مطالعے کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ سنسکرت زبان وادب کا مطالعہ ہی انہیں شاعرِ اعظم بھرتری ہری سے متعارف کراتا ہے اور سنسکرت زبان و

ادب ہی کے حوالے سے وہ وشوامتر کے والا وشیدا ہوجاتے ہیں، جاوید نامہ میں آسمانوں کی سیر کا وہ منظر اس ضمن میں بہت اہم ہے جہاں مولانا روم، عارفِ ہندی، جہاں دوست وشوامتر سے اقبال کی ملاقات کراتے ہیں۔

اسی تہذیبی ولسانی سیاق میں جب جاوید نامہ میں اقبال فلکِ نہم پر پرواز کرتے ہیں، تو یہاں ان کی ملاقات بھرتری ہری سے ہوتی ہے۔ اس موقع پر اقبال اور مولانا روم ساتھ ہیں، بھرتری ہری کے لئے اقبال کا جذبۂ احترام اور عقیدت مندی کا حال یہ ہے کہ جوں ہی بھرتری ہری سامنے آتے ہیں تو پیر رومی اور مریدِ ہندی دونوں تعظیماً کھڑے ہوجاتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال سنسکرت کے اس دیو قامت شاعر کو کس عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اقبال کے یہاں بھرتری ہری کا پہلا تعارف بال جبریل کے سرنامہ کا درج ذیل شعر ہے ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اس شعر کے مفہوم کے بارے میں اختلاف رائے رہا ہے۔ بقول فقیر سید وحید الدین:

''یہ ۱۹۳۰ء میں نواب زادہ راحت سعید خان (چھتاری) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھتے تھے۔ ایک روز ان کے استاد پروفیسر آل احمد سرور سے ڈاکٹر صاحب کے اس شعر پر ان کا اختلاف ہوگیا۔

'استاد کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ مصرعہ اولیٰ استفہامیہ ہے اور اس میں انداز بیاں یہ ہے کہ بھلا پھول کی پتی ہیرے کو کاٹ سکتی ہے؟ اور جب پھول کی پتی سے ہیرا نہیں کٹ سکتا، تو نادان انسان پر نرم ونازک نصیحت کیوں کر کارگر اور اثر انداز ہوسکتی ہے؟

شاگرد کا اندازِ فکر مثبت تھا اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ تو ممکن ہے کہ پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کاٹ کے رکھ دیا جائے لیکن مردِ ناداں پر نرم ونازک بات کا اثر ہو، یہ ممکن نہیں۔

بحث کافی طویل ہوگئی۔ استاد اور شاگرد دونوں اپنے اپنے موقف پر جمے ہوئے تھے، آخر طے پایا کہ ڈاکٹر صاحب سے شعر کا مفہوم دریافت کیا جائے، چنانچہ لاہور خط لکھا گیا، ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

'' ہر دو مفہوم اپنی جگہ خوب ہیں، لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، اسے آنے والا وقت بخوبی سمجھا سکے گا۔''[1]

مذکورہ شعر کسی ایک شلوک کا ترجمہ نہیں بلکہ '' نیتی شتک '' کے مندرجہ ذیل تین شلوکوں سے اخذ کردہ مفہوم کا بلیغ شاعرانہ اظہار ہے جن میں ذیل کا تیسرا شلوک زیادہ قریب ہے۔

دانتوں سے مگرمچھ کے نکالیں موتی
ممکن ہے شناوری سمندر کی بھی
ممکن ہے کہ سانپ ہار پھولوں کا بنے
کیا اس کو منائیں جو ہو ناداں ضدی

☆

مٹی سے نکالنا ہے روغن آساں
ممکن ہے ملے سراب سے آبِ رواں
خرگوش کے بھی سینگ ہیں آسان مگر
مشکل ہے رہ راست پہ آئے ناداں

☆

جاہل کو رہِ راست پہ لانا گویا
شاخِ گل سے ہے باندھنا ہاتھی کا
جیسے کوئی برگِ گل سے ہیرا کاٹے
یا شہد کی بوند سے سمندر میٹھا[2]

یہ اور دیگر ترجموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے شعر میں مصرعہ اولیٰ میں استفہامیہ نہیں ہے۔ '' بھرتری ہری اور اقبال '' پر ایک وقیع مقالہ ۱۹۷۷ء میں عالمی اقبال سمینار منعقدہ لاہور میں جناب سید صمد حسین رضوی نے پڑھا تھا۔[3] یہ مقالہ محنت اور دقتِ نظر سے لکھا گیا ہے۔ اپنے اس

۱- فقیر سید وحید الدین: روزگارِ فقیر (حصہ اوّل) لائن آرٹ پریس (کراچی) لمیٹیڈ، اپریل ۱۹۶۶ء ص ۱۶۸

۲- ترجمے نیتی شتک، مترجمہ رگھوویندر جذب عالم پوری کے ہیں۔ یہ ترجمے مخصوص سیاق میں اگلے صفحات میں بھی نقل ہوئے ہیں۔

۳- اقبال اور بھرتری ہری از سید صمد حسین رضوی، سہ ماہی اردو، شمارہ (۴)، ۱۹۷۷ء، ص ۱۳۹ تا ۱۵۹، مطبوعہ انجمن ترقی اردو (کراچی) پاکستان

مقالہ میں انہوں نے بحث کرتے ہوئے، اقبال کے اس مشہور شعر میں استفہامیہ ہونے پر زور دیا ہے۔بصد احترام مجھے اس کے استفہامیہ ہونے میں شک ہے، مجھے تو یہ ایک طرح کا بیانیہ لگتا ہے۔ پنڈت گوپی ناتھ کی کتاب سے منقول شلوک کے ہندی یا انگریزی ترجمے میں بھی کسی طرح کا استفہامیہ مجھے محسوس نہیں ہوتا۔

یہاں ایک اور بات محل نظر ہے۔فاضل مقالہ نگار کے مضمون کی داد نہ دینا صحیح نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بھی غالباً سو فیصد صحیح نہیں ہے کہ اقبال نے ''بالِ جبریل'' کے سرنامہ پر لکھے اس شعر کا مفہوم پروہت گوپی ناتھ ہی سے لیا ہے۔اگر چہ اس امکان کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تاہم اس بات کا بھی امکان ہے کہ اقبال نے انگریزی میں ہونے والے بے شمار ترجمے بھی دیکھے ہوں اور انہیں انگریزی کے ترجموں سے انہوں نے استفادہ کیا ہو۔بھرتری ہری کے انگریزی تراجم میں جیسا کہ سید صمد حسین رضوی نے بھی لکھا ہے، پہلا ترجمہ پروفیسر'' ٹاونی نے ۱۸۷۷ء میں کیا تھا جو کلکتے سے شائع ہوا، دوسرے نمبر پر ایک نہیں بلکہ دو ترجمے ہیں ایک درگا پرشاد کا ترجمہ جو ۱۸۸۶ء میں لاہور سے شائع ہوا اور دوسرا B, Hale Wortham کا جو اسی سال یعنی ۱۸۸۶ء میں لندن سے Trubner & Co. Ludgate Hill نے شائع کیا۔تیسرا ترجمہ ۱۸۹۶ء میں پروہت گوپی ناتھ نے ماؤنٹ آبو سے شائع کرایا جو اصل سنسکرت متن کے ساتھ ہندی اور انگریزی میں ہے۔یہ دوبارہ ۱۹۱۴ء میں بھی شائع ہوا۔ ۱۹۱۱ء میں جوگلیکر نے اسے انگریزی میں بمبئی سے شائع کیا۔اس کے انگریزی اور ہندی نیز ہندوستان کی دیگر زبانوں مثلاً مراٹھی، گجراتی کے علاوہ جنوبی ہند کی چار دراوڑی زبانوں مثلاً تلگو، تامل، کنڑ اور ملیالم میں بھی ترجمے ہوئے ہیں۔یہ بھرتری ہری کے شتکوں کی مقبولیت کا راز ہے۔لہٰذا اقبال نے صرف پروہت گوپی ناتھ کے ترجمہ پر ہی اکتفا نہیں کی ہوگی بلکہ متعدد انگریزی تراجم بھی ان کے زیر مطالعہ رہے ہوں گے۔اور انہوں نے ان شلوکوں کے مطالعہ کے بعد ترجمہ کی بجائے مشہور شلوک کو متبادلمعنوں میں ڈھال لیا ہوگا جو ترجمہ سے زیادہ معنیاتی تبدّل (Transfer of meaning) کی حیثیت رکھتا ہے۔چونکہ اقبال سنسکرت کے مقابلہ انگریزی کے عالم بے بدل تھے، انگریزی تراجم سے استفادہ کا زیادہ امکان ہے۔انیسویں صدی میں بھرتری ہری کے تراجم ہندوستانی اور انگریز دونوں اسکالروں نے کئے ہیں۔اس سلسلے میں ایک انگریزی ترجمہ اربندو(Arbindo) کا بھی ہے۔

سنسکرت میں ''کھل'' کے معنی بد/ بدخو/ بدطینت کے ہیں۔انگریزی لفظ Wicked کے

معنی بھی بدخویا/بدطینت کے ہیں، لیکن پروہت گوپی ناتھ کا ترجمہ Blockheaded غلط نہیں ہے اس لئے کہ اس کے انگریزی معنی foolish یعنی احمق کے ہیں اور انگریزی ترجمہ نگار B.H. Wortham (۱۸۸۶) نے اس کا ترجمہ Foolish obstinate کیا ہے۔ یہاں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اقبال کا ترجمہ متبادل لفظ دینے کا نہیں بلکہ معنی کی اصل یا روح کو منتقل کرنے کا فن ہے۔ اور نادان کے معنی کم علم، معصوم اور جاہل اور احمق کے بھی ہیں۔

اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں بھرتری ہری کو جو غیر معمولی خراج عقیدت پیش کیا ہے، غالباً ہندوستانی ہی نہیں بلکہ عالمی زبانوں میں اس طرح کے خراجِ عقیدت کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ ''جاوید نامہ'' کے حصہ ''افلاک کی سمت'' میں جو اعلیٰ ترین مقام ہے، اقبال نے بھرتری ہری کو یہی مقام بلند عطا کیا ہے۔ بھرتری ہری کے تعلق سے اقبال کا یہ بیان طویل ہے، لیکن موضوع کی مناسبت سے اپنے ممدوح کے بارے میں یہ طویل اقتباس بہت اہمیت رکھتا ہے، اس سے بھرتری ہری کے افکار اور اقبال پر اس کے اثرات کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اقبال جرمن فلسفی نطشے کا مقام، قصر شرف النسا کا بیان کرتے ہوئے سید علی ہمدانی وغنی کاشمیری سے ملاقات کرنے کے بعد کچھ وقت ''شاعرِ ہندی بھرتری ہری کے ساتھ'' گزارتے ہیں۔ اس ملاقات کا بیان خود اقبال کی زبانی سنئے۔

''شاعرِ ہندی بھرتری ہری کے ساتھ''

حوریاں جلوہ دہ قصر و خیام	مرا نالہ دعوتِ سوزِ تمام
سر نکالے خیمے سے باہر کوئی	اور کسی کھڑکی سے جھانکے دوسری
میں نے جنت میں ہر اک دل کو دیا	اس جہاں کے درد و غم کا کچھ پتا
زیرِ لب ہنستے تھے پیر پاک زاد	بولے'' اے جادوگرِ ہندی نژاد''
کر نوا پرواز ہندی پر نظر	اک نظر سے اس کی ہے شبنم گہر
نام ہے اس نکتہ ور کا بھرتری	ہے جو فطرت میں سحاب آذری
وہ چمن سے غنچۂ نورس چنے	تیرا نغمہ اس کو ہم تک کھینچ لائے
بادشہ، جس کی نوا ہے ارجمند	فقر میں بھی ہے مقام اس کا بلند

نقش آرا اس کی ہے فکر شگرف نادر — اک جہاں معنی ہے اس کا حرف حرف

کارگاہِ زیست کا محرم ہے وہ — شعر اس کا جامِ جم ہے، جم ہے وہ

پھر کھڑے ہوکر اسے تعظیم دی
اور اس کے ساتھ محفل جم گئی

اقبال اس محفل میں بھرتری ہری سے مؤدبانہ سوال کرتے ہیں۔

تو نے کھولے نکتہ ہائے دل نواز — تجھ سے مشرق بن گیا دانائے راز

شعر میں اے نکتہ سنجِ خوش نوا — سوز آتا ہے کہاں سے یہ بتا؟

مجھ پہ کھلتا کچھ نہیں یہ ماجرا — یعنی اصل اس کی خودی ہے یا خدا؟

بھرتری ہری اقبال کو جواب دیتے ہیں ۔

کون جانے ہے کہاں شاعر چھپا — اس کا پردہ ہے بم و زیرِ نوا

تجھ کو حاصل ہے دلِ گرم و فگار — پیشِ یزداں بھی نہیں جس کو قرار

جاں کو لذت بخشتی ہے جستجو — سوز بخشِ شعر ہے، بس آرزو

تو سخن کی مے سے ہے مستِ مدام — اے تجھے آئے میسر یہ مقام

شعر اگر دو ایک لاسکتا ہے تو
حور کا دل بھی اڑا سکتا ہے تو

اقبال پھر کہتے ہیں ۔

کھا رہے ہیں اہل ہند اک پیچ و تاب
وقت ہے اب ، بزحق کر بے حجاب

(ابتداء میں غنی کاشمیری، شریف النساء، شاہ ہمدان سے زندہ رود (اقبال) کی ملاقات ہوتی ہے۔ اس تفصیلی ملاقات کے بعد مرید ہندی پیر رومی کے ساتھ جادوگر ہندی نژاد بھرتری ہری سے ملاقات کرتے ہیں جس کے تفصیلی حالات اس سے قبل بیان کئے جاچکے ہیں۔ اقبال نے بھرتری ہری کو آسمان میں اعلیٰ ترین مقام عطا کیا ہے۔ انہیں نیک روحوں کے ساتھ رکھا ہے، یہ اقبال کی فکری عظمت کی دلیل ہے کہ وہ علم وفن کے لحاظ سے کفر ومسلماں کی تفریق کے خلاف تھے اوران کا دل وسیع اور خیالات عمیق تھے۔ زندہ رود نے کہا کہ ان کے نغمے نے حوران بہشتی کو دعوتِ سوز تمام دی اور بہشت کے بسنے والوں کو دنیا کے درد وغم سے متعارف کرایا تو کوئی حور

بہشت سرخیمے سے باہر نکالے تھی تو کوئی جھروکے سے باہر جھانک رہی تھی۔ ایسے میں پیر نیک زاد (رومی) نے جادوگر ہندی نژاد (اقبال) سے کہا کہ وہ نواپردازِ ہندی کی طرف نظر کرے جس کی نظر سے شبنم کا ہر قطرہ گہر بن جاتا ہے اور جس کا نام بھرتری ہری ہے۔ وہ چمن سے غنچۂ نورس کے سوا کچھ نہیں چنتا اور جو تیرے نغمے کی وجہ سے ہماری طرف راغب ہوا ہے۔ یہ ایک نوائے ارجمند رکھنے والا بادشاہ ہے جو فقر میں بھی مقام بلند پر فائز ہے۔ اس کی نادر فکر کے ہر حرف میں ایک جہانِ معنی پوشیدہ ہے۔ وہ زندگی کے سارے اسرار و رموز سے واقف ہے۔ اس کی حیثیت جمشید کی ہے جو جامِ جمشید بھی رکھتا ہے۔ ہم نے کھڑے ہو کر اس کی تعظیم و تکریم کی اور اس کے ساتھ محفل آرا ہوئے۔

زندہ رود نے بھرتری ہری سے کہا تو نے نکتہ ہائے دلنواز کھول کر اپنے سخن سے مشرق کے راز ہائے سربستہ کھول دیئے اے نکتہ سنج خوش نوا، مجھے یہ بتا کہ شعر میں سوز کہاں سے آتا ہے۔ مجھ پر یہ ماجرا نہیں کھلتا کہ اس کی اصل خودی ہے یا خدا ہے؟ بھرتری ہری نے جواب دیا کہ کوئی نہیں جانتا کہ شاعر کہاں چھپا ہوا ہوتا ہے، وہ تو اس کی نوائے زیر و بم میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور اس کا دل پیشِ یزداں بھی مضطرب اور بے قرار رہتا ہے۔ ہماری زندگی کی ساری لذت ذوق جستجو میں پوشیدہ رہتی ہے اور شعر میں سوز آرزو کی دین ہے۔ تجھے یہ مقام میسر آ سکتا ہے اگر تو سخن کی نے میں سرشار رہے۔ زندہ رود (اقبال) نے کہا اہل ہند آج مضطرب اور پریشان حال ہیں لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ حقائق کو واضح الفاظ میں بیان کر کے اسرار کو بے حجاب کر دے۔)

زندہ رود کے کہنے پر کہ اہل ہند مضطرب و پریشاں حال ہیں لہٰذا بھرتری ہری ''حقیقت کے راز کو واشگاف کریں۔''

سرِّ حق بے حجاب کرتے ہوئے پھر بھرتری ہری اپنی ایک نظم پیش کرتے ہیں ۔

یہ خدایانِ تنک مایہ ہیں سب سنگ و خشت
بھرتری دیر کا جویا نہ ہوا خواہِ کنشت
سجدہ بے ذوق عمل خشک ہے منزل سے پرے
زیست کردار ہی کردار ہے، زیبا ہو کہ زشت
سب سے پوشیدہ ہے جو بات بتاتا ہوں تجھے
اے خوشا جو ورقِ دل پہ یہ رکھتا ہو نوشت

کہ نہیں ہے یہ جہاں کچھ اثر یزداں سے
چرخہ بھی تجھ سے ہے اور دھاگہ بھی اے نیک سرشت!
سر جھکا اپنا مکافاتِ عمل کے آگے
کہ عمل ہی سے ہے، دوزخ ہو کہ اعراف و بہشت [1]

درج بالا نظم دراصل ''نیتی شتک'' کے ۹۵ اور ۹۶ شلوک کا آزاد ترجمہ ہے جو اس طرح ہیں:
''دیوتاؤں کو ہم پوجتے ہیں، لیکن ان کو بھی ''کرم'' کے بس میں دیکھتے ہیں، لہٰذا کرم کا درجہ بڑا ہوا۔ چونکہ کرم ہی ہمارے پہلے فعلوں کے مطابق اچھے برے پھل دیتے ہیں اور ''فصل اور قسمت'' دونوں کرم کے بھروسے ہیں، اس لئے کرم کو نمسکار ہے اور کرموں کا نام ہی ''قسمت'' ہے''[2] دوسرے شلوک ۹۶ میں بھرتری ہری کہتے ہیں:
''جس فصل نے **برھما** کو کمہار بنا کر کوزہ گر کی طرح مورتیاں بنانے پر مجبور کیا اور **وشنو** کو بار بار اوتار لینے کے لئے زور دیا اور **شیو** کے ہاتھ میں کھوپڑی لئے ہوئے گھر گھر کا سائل بنایا اور سورج کو ہمیشہ آسمان میں چکر لگانے کی ڈیوٹی سپرد کی، اس فعل یعنی کرم کو ہی نمسکار ہے۔''[3]
بھرتری ہری کے یہاں مذکورہ نوع کی کوئی ایک نظم پروفیسر کو بمبی کے مرتبہ مستند متن میں نہیں ہے۔ جو خیالات مذکورہ نظم میں پیش کئے گئے ہیں وہ افکار البتہ بھرتری ہری سے منسوب دیگر متون کے مختلف شلوکوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ انہیں بکھرے ہوئے افکار کو جو چاندنی کی طرح چھٹکے ہوئے اور افکار و احساسات کی خوشبو میں بسے ہوئے ہیں، اقبال نے انہیں ایک نظم کی صورت میں ایک لڑی میں پرو کر نظم کا پیرایہ عطا کیا ہے۔ انمری شیمل نے البتہ لکھا ہے کہ یہ نظم Bothlinks edtion کی ۳۳۶۷ نمبر کی نظم ہے۔[4] اس نظم میں بھی جو مضامین نظم ہوئے ہیں وہ اقبال کے فلسفۂ زندگی سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس مفہوم کے کئی شعر اقبال کے یہاں بھی ہیں۔ دو شعر درج ذیل ہیں ؎

نشاں یہی ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں اس کی تقدیریں

۱۔ منظوم اردو ترجمہ جاوید نامہ از مضطر مجاز، ناشر: اقبال اکیڈمی حیدرآباد ص ۱۴۶-۴۸ (۱۹۸۱ء)
۲۔ جوہر تشایت (نیتی شتک) شلوک ۹۵ ۔ ترجمہ بابو گوری شنکر لال اختر ص ۶۳، مطبوعہ ۱۹۱۳ء
۳۔ جوہر تشایت (نیتی شتک) شلوک ۹۶ ۔ ترجمہ بابو گوری شنکر لال اختر ص ۶۳، مطبوعہ ۱۹۱۳ء
۴۔ اس کا حوالہ اگلے صفحات میں دیا گیا ہے۔

☆

قلندرانہ ادائیں ،سکندرانہ جلال
یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

اقبال انسانوں کو اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

اسی طرح جہاں تک شاعری میں "سوز" کا تعلق ہے، اقبال نے یہاں بھی بھرتری ہری سے روشنی حاصل کی ہے۔ اقبال کے درج ذیل شعر کا مفہوم

سخن میں سوز الٰہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کردے

جاوید نامہ میں اس طرح کہی گئی ہے

شعر میں اے نکتہ سنجِ خوش نوا
سوز آتا ہے کہاں سے یہ بتا[۱]

اسی طرح ذیل کے اشعار

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

اور

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو ہجر میں لذتِ طلب

بھرتری ہری سے اسی گفتگو کے اثر کا نتیجہ ہیں۔

اقبال کے یہاں جذبوں کی گرمی سے خالی خانقاہیں اور جذبوں کی حرارت سے خالی دل بے معنی ہیں۔ زندگی میں سوز اور آرزو کی تڑپ اس کی بنیادی ضرورت ہے۔ یہ نکتہ بھرتری ہری کے یہاں واضح ہے اور اقبال نے کمال فن کاری سے پوری تخلیقیت کے ساتھ اس سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن یہ سوز بقول اقبال روشن سینے میں ہوتا ہے۔

۱۔ منظوم اردو ترجمہ "جاوید نامہ" از مضطر مجاز

سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عین حیات
ہو نہ روشن، تو سخن مرگِ دوام اے ساقی

اقبال کے یہاں عمل، یقینِ محکم، سوز و ساز کی تلقین بار بار کی گئی ہے، اقبال کے فلسفۂ زندگی میں عمل اور یقینِ محکم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ عمل کو اسلامی تعلیمات میں بھی بلند مرتبہ حاصل ہے۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں عمل کی تعلیم دی ہے اور کامیابی کا راز عمل ہی کو قرار دیا ہے۔ اقبال کی فکر قرآنی تعلیمات سے کسب نور کرتی ہے۔ بھرتری ہری نے بھی جو اقبال کے ممدوح ہیں عمل کو زندگی میں بڑی اہمیت دی ہے۔ یہ دراصل گیتا کی بھی تعلیم ہے۔ بھرتری ہری کے یہاں عمل کو اہمیت دیتے ہوئے متعدد شلوک ملتے ہیں مثلاً

''اگر تم کو حسب دلخواہ دنیا میں ترقی منظور ہے تو ایسے شبھ اور نیک کرم کرو جو بروں کو اچھا بنا دیتے ہیں اور بے وقوفوں کو عالم۔ اور قانونِ قدرت کے خفیہ رازوں کو ظاہر کرتے ہوئے زہر کو بھی امرت بنا دیتے ہیں، اس واسطے نیک کرم کرو۔''[1]

''کوئی کام مناسب ہو یا غیر مناسب، مگر کام کرنے والوں کو اس کے نتیجے پر پہلے ہی غور کرنا واجب ہے جو سوچ سمجھ کر نہیں کرتے وہ عمر بھر پچھتاتے رہتے ہیں۔''[2]

اقبال نے اپنی پیمبرانہ شاعری میں عمل اور یقین محکم کو زندگی میں کامیابی کی اساس قرار دیا ہے۔ انسان دنیا میں اپنے اعمال کا جواب وہ خود ہوتا ہے اور اس کے اعمال ہی اسے جنت یا دوزخ عطا کرتے ہیں ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

☆

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

☆

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

۱، ۲۔ جوہر تثلیث یعنی بھرتری ہری شتک مترجم بابو گوری لال شنکر اختر، شلوک ۹۹۔ ۱۰۰، ص ۶۳ - ۶۴

☆

یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو، تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

☆

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

اور اقبال کی بے شمار نظموں اور غزلوں میں عمل اور جہدِ مسلسل کی تلقین کی گئی ہے۔ان کی مشہور
غزل ۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

میں ہر دوسرا شعر جہد مسلسل کی تعلیم دے رہا ہے، کہ زندگی کا راز مسلسل عمل میں پوشیدہ ہے۔
اقبال کی فکر روشن میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ بھرتری ہری کے فلسفۂ عمل کے بھی واضح اثرات ملتے
ہیں۔عمل یا کرم (Karma) ہندو فلسفہ کی بنیاد ہے، جس کی تعلیم جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا
”بھگوت گیتا“ میں بھی پائی جاتی ہے جو مہاتما گوتم بدھ کے فلسفہ کا بھی حصہ ہے۔اقبال نے مغربی
فلسفوں اور فلسفیوں سے متعارف کر کے ہندوستانی مسلمانوں کے ذہنی افق وسیع کرنے کی کوشش کی
ہے۔ایسا کرتے ہوئے اقبال نے ان فلسفوں اور فلسفیوں کو نئے تخلیقی انداز سے پیش کیا ہے۔لیکن
جیسا کہ پروفیسر اینمری شیمل نے لکھا ہے اقبال کی جڑیں مشرقی روایات سے گہری وابستہ اور جڑی
ہوئی تھیں اور ان کی شاعری کی تفہیم کلاسیکی فارسی اور اردو شاعری کے مطالعہ کے سفر کے بغیر ممکن نہیں۔
اسی طرح ان کے وطن عزیز کی ہندو روایات نے بھی انہیں ابتدا ہی سے متاثر کیا ہے۔اس سلسلے میں
جیسا کہ لوگ جانتے ہیں انہوں نے گائتری سے جو ہندوؤں کی عبادت میں مقدس الوہی نغمہ ہے اپنی
نظم ”آفتاب“ جو ”بانگ درا“ میں شامل ہے، اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔اقبال کو ہندوستانی فلسفے
اور ادب سے گہری دلچسپی رہی ہے اور اس کا اظہار انہوں نے متعدد بار اپنشدوں کے حوالوں سے کیا
ہے۔میکس مولر (Max Muller) کی کتاب ویدانتی فلسفہ (Vedanta Philosophy)
ان کے ذاتی کتب خانہ میں تھی اور اپنشدوں کا ذکر ان کی شاعری میں بھی آیا ہے۔
ہندوستانی فلسفۂ عمل (Karma) کا ذکر کرتے ہوئے جرمن عالم اینمری شیمل نے لکھا

ہے:

As to the Indian idea of **Karma**- the deed which bears its fruit in itself and gives the direction of future development - it has been used in his work several times, though without the implication of perfect mechanism which the original **Karma** involves. Iqbal has chosen the Indian sage Bhartrihari whom he even allots a seat in Paradise - for expressing his own ideas about action as determinative force in human life; the Indian poet-philosopher recites a ghazal (which is a nearly literary translation of the poem No. 3367 in Both lingk's edition); and the same Bhartrihari recures once more as the leading figure in the motto of the **Bal-i-Jibril.** The apparition of the Buddha in the **Javidname,** where again stress is laid on action and its fruit, belongs to the same group of classical Indian motives in Iqbal's poetry.

اقبال کے یہاں ان کے فلسفۂ عمل پر واضح اثر بھرتری ہری کا ہے، اسی طرح ''تقدیر'' سے متعلق اقبال کے نظریات اور افکار پر بھی بھرتری ہری کے اثرات موجود ہیں۔ انمیری شیمل نے اقبال کے ہاں تقدیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لوحِ محفوظ پر لکھا اقبال کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

The old symbols of the Preserved Tablet and the Divine Pen are no longer valid for the poet; and the popular idea that everythig is **maktub**, written or - as Turks use to say alin yazisi written on the forehead is reversed by him :

Thous write thy own writing with they own pen

The Divine Pen has left blank thy forehead (ZK 180, cf AH 91)

The man of God becomes himself the star of his destiny (Mus.37).* (1)

* تو اپنی سرنوشت سے خود اپنے قلم سے لکھ　　خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں

نشاں یہی ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا　　کہ صبح و شام بدلتی ہیں اس کی تقدیریں　ارمغان حجاز ص ۲۷۴

1- Annemarie Schemmel : Gabriel's Wing - A study in to the Religions ideas of Sir Muhammed Iqbal - Leiden, E..J. Brill (1963) Page 333

But how can this rank be attained? Iqbal gives two possible explanations which do not exclude each other:(1)

Destiny is another name for the recompense of deeds (AH 274)

which means, differently expressed, that every action and thought is followed consequently by its results so that man through his actions and intentions prepares his own future, an idea which recurs once more in the Javidname, when the Hindu wise Bhartrihari is introduced and preaches the karma-concept: action as mechanically determining one's future.

The higher form of action is, to change oneself. Iqbal has always preached the strengthening and hardening of personality, and parables like that of the 'drop which can be swallowed', of the ' meek coal which is burnt' whilst the 'hard diamond is honoured' fill his work. It behoves man to develop his ego in such a way that it cannot be taken by anybody else but is able to incorporate others. The best exposition of this doctrine of self in connection with destiny is found in the Sphere of Mars in the Javidname where the poet, in traditional oriental manner,says that

Poor and beggar are God's destiny,
Ruled and ruler are God's distiny
But is informed by the Wise Man of this planet :
If your liver becomes blood through this your destiny,
then ask God for another desiny
It is possible that you request from God another destiny-
God's destinies have no end...
The fine wink is hidden in one word:
If thou becomest different, it will also become different

زبورِ عجم(Cf. ZA 11 28)
Become dust ...... and they will throw thee into the air-
Become stone ...... they will throw thee on glass...
بانگِ درا کی ایک مختصر نظم'' چانداورتارے'' جومکالماتی انداز میں کہی گئی ہے۔فلسفۂ حرکت و

1- Ibid Page 334

عمل کی خوبصورت مثال ہے۔مثلاً ذیل کے شعر۔

کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا چلنا مُدام چلنا
چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں
بیتاب ہے اس جہاں کی ہے شئے
کہتے ہیں جسے سکوں نہیں ہے

اقبال کے فلسفۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جس کی بنیاد ''عمل'' ہے۔

اقبال کے مردِ مومن کا تصور بھرتری ہری کی '' اخلاقیات'' کے کئی شلوکوں سے مماثلت رکھتا ہے۔بھرتری ہری کا مطالعہ کرتے وقت اقبال کے پیش نظر متداول متون تھے،لہٰذا انہیں متون سے انہوں نے اپنی فکر میں اخذ و استفادہ کیا ہے۔مثلاً ''نیتی شتک'' کا یہ شلوک ملاحظہ ہو۔

'' عیش و آرام میں نیک آدمیوں کا دل کنول سے بھی زیادہ ملائم رہتا ہے اور مصیبت میں پہاڑ کے چٹان کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔''[۱] اب اقبال کے شعر دیکھئے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح
رزمِ حق و بطل ہو تو فولاد ہے مومن
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری
مصافِ زندگی میں صورتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا
گذر جا بن کے سیلِ تندرو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا

''نیتی شتک''، میں اشلوک نمبر ۳۰ اس طرح ہے:

''کسی ہڈی کا چھوٹا سا ٹکڑا جس میں کچھ غلاظت اور چربی لگی ہو اور جس میں گوشت کا نام بھی نہ ہو۔کتا اس کے ملنے پر بھی خوش ہو جاتا ہے اور اس سے اس کی شکم سیری بھی نہیں ہوتی،حالانکہ شیر

۱۔یہ نثری ترجمے ''جوہرِ تثلیث'' مترجمہ بابو گوری شنکر لال اختر کے ہیں۔

پنجہ میں آئے ہوئے گیدڑ کو نہایت خوشی سے چھوڑ کر ہاتھی ہی کو مارنا پسند کرتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ تمام دنیا کے آدمی خواہ کسی حالت میں ہوں اپنی فطرت وار قوتِ بازو کے تابع ہو کر اسی حیثیت میں آرزومند اور خواہش مند ہو سکتے ہیں جس میں کہ ان کو سرشت کیا گیا ہے۔"[1]

اسی طرح شلوک نمبر ۱۳ ہے:

"دم ہلانا، قدموں پر رکھ کر سر رگڑنا اور زمین پر لیٹ کر پیٹ اور منہ دکھلانا، ایسی عاجزی ٹکڑا دینے والے کے سامنے کرتا ہے۔ مگر مست ہاتھی اپنی راتب دینے والے کی طرف ایک مرتبہ مستقل مزاجی سے دیکھتا ہے اور طرح طرح کی دانائی اور ہوشیاری کے بعد غذا حاصل کرتا ہے۔[2]"

اب اسی مفہوم کے اقبال کے شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

☆

تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
میں نہ سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں

☆

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

☆

بھرتری ہری کا شلوک ہے ؎

قطرۂ آبی میں پنہاں زندگی کا راز ہے
تپتے لوہے پر تو دودِ زار ہو جاتا ہے یہ
پھول کی پتی پہ لگتا ہے یہ موتی کی طرح
سیپ میں گر کر دُرِ شہوار ہو جاتا ہے یہ
یہ اثر صحبت کا ہے، اس کو پتا کچھ بھی نہیں
کیا سے کیا ہو جائے گا وہ جانتا کچھ بھی نہیں

۱، ۲- یہ نثری ترجمے "جوہرِ تثلیث" مترجمہ بابو گوری شنکر لال اختر کے ہیں۔

تقریباً اسی مفہوم و معانی کے اقبال کے دو شعر قابلِ توجہ ہیں۔

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی شبنم، کبھی گوہر، کبھی آنسو ہوا
زندگانی ہے صدف، قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

''جوہرِ تثلیث'' میں ایک شلوک (۸۸) میں بھرتری ہری کہتے ہیں:

''چھانٹا ہوا درخت پھر بڑھ کر پھیل جاتا ہے۔تنزل میں آیا ہوا چاند پھر عروج پاتا ہے۔غرض یہ کہ سنت مہاتما مصیبت میں تکلیف نہیں اٹھاتے، نہ مصیبت میں دکھی ہوتے ہیں بلکہ خوشی سے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں''

بھرتری ہری کے اس شلوک کے معنی و مفاہیم اقبال کے درج ذیل اشعار میں بھی موجود ہیں۔

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

☆

اگر عثمانیوں پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

☆

اے مسلم دلِ خستہ مصائب سے نہ گھبرا
خورشید نکلتا ہے سدا پردۂ شب سے

ایک ممدوح کی حیثیت سے اقبال نے سنسکرت کے اس شاعرِ اعظم کے افکار سے جگہ جگہ اپنی فکر کو روشن کیا ہے۔لیکن اقبال خود بھی ایک عظیم شاعر اور فلسفی تھے لہٰذا بھرتری ہری کے افکار سے استفادہ کرتے وقت ان کی اپنی فلسفیانہ نظر اور شاعرانہ پیش کش کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔انسانی افکار زمان و مکان اور زبانوں کی حدود کے پابند نہیں ہوتے بلکہ اس میں ایک طرح کا تسلسل ہوتا ہے۔لہٰذا اقبال نے بھرتری ہری کے افکار سے جو بھی استفادہ کیا ہے اس میں ان کی اپنی انفرادیت باقی ہے اور ان کی تخلیقیت اپنی تمام تر فنکاری کے ساتھ جلوہ ساماں ہے۔بھرتری ہری کے بہت

سارے اشلوک اوران میں پوشیدہ فلسفیانہ افکار جن کا تعلق اخلاقیات سے ہے سعدی کے یہاں بھی موجود ہیں ۔ سیاسی اخلاقیات میں جو بیش قیمت افکار بھرتری ہری نے پیش کئے ہیں اسی طرح کی باتیں فارسی '' قابوس نامہ'' اور نظام الملک طوسی کے '' سیاست نامہ'' میں اور اسی طرح امیر خسرو کی '' نہ سپہر'' میں بھی موجود ہیں ۔ اس طرح کے تقابلی مطالعوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی فکر زمان مکان اور زبانوں کے حدود و قیود کی پابند نہیں ہوتی ۔ اس کے باوجود یہ کہنا غلط نہیں ہے بھرتری ہری کی شاعری کے حکیمانہ اندازِ بیان، شوخیِ فکر اور رندرا ور بیباک اندازِ بیان نے اقبال کو بے انتہا متاثر کیا ہے اور یہ شوخیِ فکر، حکیمانہ اسلوب اور بیباکی ان کی شاعری میں نمایاں ہے ۔ اقبال ہی کے الفاظ میں بھرتری ہری کی شاعری رعنائی افکار اور لذتِ اسرار کی شاعری ہے جو ہماری تہذیبی و فکری زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

زندگی مسلسل جہد کا نام ہے اور تغیر پذیر ہے ۔ موسموں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے ۔ وقت ہمیشہ گردش کرتا ہے ۔ انسانی زندگی کبھی یکساں نہیں رہتی ۔ انسانی مزاج اور طبیعتیں بچپن، جوانی، اور بڑھاپے کی منزلوں سے گذرتی ہیں ۔ کبھی زندگی، خوشحالی اور بےفکری میں گذرتی ہے تو کبھی بدحالی اور فکر و تردد میں کٹتی ہے ۔ کبھی عشرت میں تو کبھی عسرت میں ۔ کبھی خوشی میں تو کبھی غم و الم میں ۔ بقول اقبال ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

یہی معنی و مفاہیم بھرتری ہری نے '' ویراگ شتک '' کے شلوکوں میں بیان کئے ہیں ۔ جوہر تثلیث (ویراگ شتک) کے شلوک ۱۰۵، ۱۰۶ اور ۱۰۷ میں قدرت کے کارخانہ میں '' سکوت و ثبات '' کی حقیقت بیان کی ہے ۔ یہ تینوں شلوک بالترتیب درج ذیل ہیں ۔

'' صدہا قسم کی بیماریوں سے تندرستی کی جڑ کمزور رہتی ہے ۔ جہاں زیادہ دولت ہوتی ہے وہاں مصیبت دروازہ توڑ کر آ گھستی ہے اور جو پیدا ہوتا ہے، موت اس کو زبردستی قبضہ میں کر لیتی ہے، پھر ایسی کون سی چیز ہے جو ایشور نے بلا خوف یکساں حالت میں رہنے والی بنائی ہو۔ ''

'' بچپن کے زمانہ میں ماتا کے حمل کی قید، ناپاک و غلیظ جگہ کا قیام، جوانی میں حسینوں کی جدائی کے صدمے اور دردِ فراق اور عالمِ ضعیفی میں عورتوں کی بے وفائی میں نیچا سر کئے ہوئے غور و فکر کے دریا میں غوطہ زن رہنا ۔ یہ باتیں ثابت کر رہی ہیں کہ دنیا میں سکھ کہیں نہیں ہے ۔ ''

''اوّل تو انسان کی عمر ہی سو(۱۰۰) برس کی ثابت ہوتی ہے۔اس میں نصف یعنی پچاس برس رات کو سونے میں گزر جاتے ہیں۔ باقی پچاس کے تین حصے کرو۔اس میں پہلا حصہ لڑکپن کے لہو ولعب میں گزر جاتا ہے۔ دوسرا عالمِ ضعیفی میں، جو باقی رہی سو وہ بھی مصیبت، وقت، خدمت، خوشی، غمی، شوک، نفع، نقصان وغیرہ وغیرہ طرح طرح کے دکھوں میں ضائع ہوتی ہے۔اگر سو(۱۰۰) برس کی بھی زندگی ہو تو بھی حساب سے سکھ کے دن کچھ نہیں نکلتے۔ یہ زندگی پانی کی لہروں کی طرح ہے۔اس میں لوگوں کو کہاں سے آرام مل سکتا ہے۔''

اقبالؔ کی نظم ''حقیقتِ حسن'' بھی تغیر پذیری اور ناپائیداریٔ حیات کی علامت ہے اور بھرتری ہری کے افکار سے مماثلت رکھتی ہے۔

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شبِ دراز عدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسین ہے حقیقت زوال ہے جس کی
کہیں قریب تھا، یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی ، اخترِ سحر نے سنی
سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتادی زمیں کے محرم کو
بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہوگیا غم سے
چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

بھرتری ہری نے ''نیتی شتک'' میں شاعروں کی قدر و منزلت، شعر کی عظمت، اہلِ قلم کی عزت اور اسی طرح علم و حکمت کے بارے میں مختلف انداز سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اقبال کے بھی یہ دل پسند موضوعات ہیں۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں۔

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہِ شاعرِ رنگیں بیاں میں ہیں جادو
سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر
گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ

اقبال کی شاعری میں مذکورہ خیالات کے علاوہ کئی اور موضوعات ہیں جن میں بھرتری ہری کے یہاں مماثلتیں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ان مماثلتوں یا اثرات میں چند کا ذکر سید صمد حسین رضوی نے اپنے وقیع مقالے میں کیا ہے۔[۱] بھرتری ہری اور اقبال کے حوالے سے مطالعۂ اقبال ابھی نامکمل ہے۔جس پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔لیکن اقبال پر بھرتری ہری کے جو بھی اثرات ہیں۔وہ چاندنی کی طرح چھٹکے ہوئے ہیں اور یہ اثرات معنیاتی تبادل کی حیثیت رکھتے ہیں، مستقل تراجم کی تلاش اس ضمن میں شاید مناسب نہ ہوگی اور اس ضمن میں ہمارا مطمحِ نظر صدف نہیں بلکہ تلاشِ گہر ہونا چاہئے۔بقول اقبال ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

اقبال کی شاعری میں ''عورت'' پر بھی نظمیں کہی گئی ہیں۔لیکن بھرتری ہری کے اندازِ فکر اور اقبال کے زاویۂ نظر میں اختلاف ہے۔بھرتری ہری نے ''عورت'' کے جسمانی پہلو کو اور جنسی تلذذ کو موضوع بنایا ہے۔اس کا زاویۂ فکر جداگانہ ہے، لہٰذا دونوں کے یہاں اختلافِ نظر ہے۔بھرتری ہری عورت کے جسمانی خدوخال کا مصور ہے اور عورت کے وجود کو مرد کی بے راہ روی اور گمرہی کا سبب بتاتا ہے، مگر اقبال اسے تصویرِ کائنات کا رنگ سمجھتے ہیں، بھرتری ہری کے یہاں بھی عورت تصویرِ کائنات کا رنگ ہے مگر دونوں کی پیش کش مختلف ہے۔عورت کو اقبال نے دورِ حاضر کی مغربی تہذیب کے سیاق میں دیکھا ہے۔بھرتری ہری کے یہاں عورت شہوت اور جنسی تلذذ کی ایک علامت ہے، مگر اقبال کے یہاں یہ سرچشمۂ تخلیق ہے ؎

راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق
آتشیں، لذتِ تخلیق ہے اس کا وجود

''ضربِ کلیم'' میں اپنی دوسری نظم ''عورت'' میں انہوں نے اس کے بارے میں

۱۔اقبال اور بھرتری ہری از سید صمد حسین رضوی مطبوعہ سہ ماہی اردو (کراچی) شمارہ (۴)، ۱۹۷۷ء

وضاحت کی ہے۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اس درج کا درمکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

عورت کے تعلق سے اقبال کی فکر اسلامی روایات کے تابع ہے، اسلام میں عورت کا سماجی مرتبہ بہت بلند ہے اور اس کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ ماں، بیٹی بہن کی حیثیت سے اس کے روپ انوپ ہیں۔ اس کی سماجی ذمہ داریاں مردوں کے مقابلہ میں مختلف ہیں لہٰذا انہیں مختلف سماجی ذمہ داریوں میں اس کی سماجی حدود بھی متعین ہیں لیکن اسے یہ افتخار حاصل ہے کہ وہ احترام وعظمت ووقار کی اپنی دنیا میں اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔ ہندوستانی روایات میں عورت کی سماجی حیثیت کے بارے میں تضادات ہیں۔ رگ وید میں عورت کی افضلیت پر زور دیا گیا ہے اور انہیں مردوں کے مقابلے میں کئی طرح سے فوقیت دی گئی ہے۔ مہابھارت میں بھی عورت کو خانگی اور سماجی زندگی میں اساسی اہمیت دی گئی ہے۔ یہاں البتہ عورت کے تعلق سے دو مختلف نظریات ہیں جن میں سے ایک میں اسے گناہ کا مرکز بیان کرتے ہوئے اسے ساری سماجی برائیوں کی اصل وجہ قرار دیا گیا ہے۔ بھرتری ہری کے یہاں اس کی جمالیاتی شاعری (شرنگار شتک) میں اسے اسی گناہ اور برائیوں کے حوالے سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سے اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے، بعد میں اسی ہندوستانی روایت میں ستی ساوتری، اُما، پاروتی اور سیتا کی باوقار اور پر عظمت، خصوصیات کو بھی علامتی انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ بھرتری ہری کا اندازِ فکر اس ضمن میں بہر طور مختلف ہے، لیکن اس کا شاعرانہ اظہار اور شاعرانہ صنائع و بدائع (النکار) کے استعمال سے اس میں غیر معمولی ادبی حسن ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

اقبال اور بھرتری ہری کے یہاں جو بھی اثرات یا مماثلتیں ہین ان کا تعلق نیتی شتک (اخلاقیات) اور ''ویراگ شتک'' (رہبانیات) کے حکیمانہ شلوکوں سے ہے اور بھرتری ہری کے مترجمین نے عام طور سے انہیں شلوکوں کے ترجمے کیے ہیں۔ ریوینڈ ربی۔ ہیل وورتھم Rev. B. Hale Wortham کے انگریزی ترجمہ The Satakas of Bhartrihari (۱۸۸۶ء) کا

ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اور جس طرح کہ میں نے اس سے قبل لکھا ہے، میرے خیال میں اقبال نے اس ترجمہ سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ اور اسی طرح اولین اردو ترجمہ ''جوہرِ تثلیث'' از بابو گوری شنکر اختر (۱۹۱۳ء) بھی ان کے مطالعہ میں رہا ہوگا۔

''جوہرِ تثلیث'' میں نیتی شتک میں ایک سو گیارہ (۱۱۱)، شرنگار شتک میں ایک سو ایک (۱۰۱) اور ویراگ شتک میں ایک سو تیرہ (۱۱۳) شلوکوں کے ترجمے ہیں۔ اسی طرح B. Hale Wortham کے نیتی شتک میں ۱۱۰ شلوکوں کے ساتھ متفرقات میں ۲۳ شلوک ہیں۔ اسی طرح اس میں شلوکوں کی کل تعداد ۱۳۳ ہے اور'' ویراگ شتک'' میں ۱۱۳ اور متفرقات میں ۴۳ شلوک ہیں۔ اس طرح ان کی کل تعداد ۱۵۶ ہے۔ اس میں وضاحتی حواشی بھی ہیں جن میں انگریزی روزمرہ اور محاوروں اور اسی طرح قدیم عیسائی فکر و فلسفہ اور مذاہب سے مقابلہ کرتے ہوئے بھرتری ہری کے شلوکوں سے فکری مماثلتوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ اقبال وسیع المطالعہ شاعر اور فلسفی تھے، لہٰذا بھرتری ہری کے متعدد انگریزی تراجم اور ان کی یورپ اور ہندوستان میں غیر معمولی مقبولیت کے پیش نظر صرف ایک آدھ ہندی ترجمہ کو مطالعۂ اقبال کی کل کائنات نہیں سمجھا جا سکتا۔ ان کے سامنے انگریزی کے ترجمے بھی شامل رہے ہوں گے، جن میں سے ایک زیر بحث ترجمہ بھی رہا ہوگا۔ (اور اس طرح ان متداول انگریزی اور ہندی ترجموں کی مدد سے بھرتری ہری سے منسوب (D.D. Kosombi) کے صرف ۲۰۰ مستند شلوکوں کے علاوہ) دیگر متداول انگریزی و ہندی ترجموں سے بھی اثر قبول کیا ہے۔ یہ الحاقی شلوک جو کسی بھی بھرتری ہری سے تعلق رکھتے ہوں بہرحال حکمت و دانائی کے اعلیٰ نمونے ہیں جن سے اقبال نے فیض حاصل کیا ہے جو ہر شتک میں سو سے کہیں زیادہ ہیں۔

اس بات کو بھی خارج امکان نہیں کیا جا سکتا کہ اقبال سنسکرت سے واقف تھے۔ اقبال ایک وسیع المشرب مسلمان، شاعر اور مفکر تھے۔ انہیں اپنی تہذیبی تاریخ اور روایات اور فلسفہ و افکار سے گہری دلچسپی تھی جس کا اظہار انہوں نے عملی طور پر اپنی شاعری اور دیگر تحریروں میں کیا ہے۔ ان کا سنسکرت زبان و ادب کا مطالعہ بھی وسیع تھا۔ عطیہ بیگم فیضی نے لکھا ہے کہ اقبال سنسکرت سے واقف تھے۔ بھرتری ہری کے حوالے سے ان کی سنسکرت سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ''بانگِ درا'' میں ان کی مشہور نظم ''آفتاب'' بھی ان کی سنسکرت دانی کا ایک بیّن ثبوت ہے جو گایتری منتر کا آزاد ترجمہ ہے۔ اقبال مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''سرکار نے میرا ترجمہ ''گایتری'' پسند فرمایا۔ میرے لئے یہ بات سرمایۂ فخر و امتیاز ہے۔ افسوس کہ سنسکرت الفاظ کی موزونیت اردو زبان میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال غالباً اصل کا مفہوم اس میں آ گیا ہے۔ زمانے نے مساعدت کی تو ''گیتا'' کا اردو ترجمہ کرنے کا قصد ہے۔ فیضی کا ترجمہ تو حضور کی نظر سے ضرور گزرا ہوگا۔ فیضی کے کمال میں کس کو شک ہو سکتا ہے مگر اس ترجمے میں اس نے ''گیتا'' کے مضامین اور اس کے اندازِ بیان کے ساتھ بالکل انصاف نہیں کیا، بلکہ میرا تو یقین ہے کہ فیضی ''گیتا'' کی روح سے نا آشنا رہا۔''

فیضی کے گیتا کے ترجمے کے تعلق سے اقبال کا محاکمہ خود اقبال کی سنسکرت سے گہری واقفیت کے بغیر ممکن نہیں اور یہ ان کی سنسکرت سے واقفیت کا داخلی ثبوت ہے۔ سنسکرت عالمی زبانوں میں اعلیٰ و ارفع زبان ہے جس کا ذخیرۂ الفاظ وسیع اور قواعدی ساخت اور تصریفی انداز لسانی اعتبار سے اسے عالمی زبانوں میں ممتاز درجہ پر فائز کرتا ہے۔ سنسکرت کی تشبیہات و استعارات، شاعرانہ دروبست، معنی کی تہہ داری اور موسیقیت عالمی زبانوں میں بے مثال ہے۔ ان ساری خصوصیات کے ادراک کے بغیر ''گیتا'' کے ترجمے میں کامیابی حاصل کرنا ناممکن العمل ہے۔ اقبال نے اسی حقیقت حال کا اس خط میں اظہار کرتے ہوئے فیضی کے ترجمے پر ناقدانہ تبصرہ کیا ہے۔

اقبال کو سنسکرت ادب اور ہندوستانی فکر و فلسفہ سے گہری دلچسپی تھی۔ وہ صرف ''گیتا'' ہی کے ترجمہ کا قصد نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مکمل رامائن کا اردو میں ترجمہ کرنے کے خواہش مند تھے تاکہ یہ عالمی ادبی و فلسفیانہ شاہکار اردو میں منتقل ہو کر اہلِ اردو کی فکر کو بھی روشن و تابناک بنائے۔ ۱۹؍اپریل ۱۹۱۹ء میں مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میرا ارادہ ''رامائن'' کو اردو میں لکھنے کا ہے۔ سرکار کو معلوم ہوگا، مسیح جہانگیری نے رامائن کے قصے کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ افسوس ہے وہ مثنوی کہیں دستیاب نہ ہوئی مگر سرکار کے کتب خانے میں ہو تو کیا چند روز کے لئے عاریتاً مل سکتی ہے؟ میرے خیال میں اس کا تتبع کرنا بہتر ہوگا۔''

''گایتری'' منتر جس کا آزاد اردو ترجمہ اقبال نے ''آفتاب'' کے زیرِ عنوان کیا ہے، ''رگ وید'' کا ایک الوہی گیت ہے، جس میں سورج کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ منتر برہمنوں میں مقبول ترین منتر ہے جو ایک مقدس نغمے کے طور پر صبح کے وقت بطورِ عبادت گایا جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ گایتری کے سادہ و سلیس الفاظ میں ایک پوشیدہ قوت ہے جس سے انسان بہرہ مند ہوتا ہے۔ ''گایتری'' کی ابتدا لفظ ''اوم'' سے ہوتی ہے جو ہندوؤں میں بسم اللہ کا نعم البدل ہے۔ یہ منتر تخلیق کا

منبع ہے اور عقل و دل اور روح و شعور اسی سے روشنی اور تابانی حاصل کرتے ہیں۔ بھرتری ہری کے افکار کی چھٹکی ہوئی چاندنی کی طرح ''آفتاب'' (گایتری) کے افکار کی ضیا سے بھی اقبال کی شاعری تابناک ہے۔ بھرتری ہری کی شاعری میں حرکت و عمل کی جو تعلیم دی گئی ہے اور جس سے اقبال نے استفادہ کیا ہے وہی پیامِ حرکت و عمل ''گایتری'' کی بھی تعلیم ہے اور یہ اثرات بھی ان کی مختلف نظموں میں پیوست معلوم ہوتے ہیں۔ اقبال کو اپنے برہمن زاد ہونے پر فخر تھا اور انہوں نے اپنی اس علمی وراثت سے اپنے شعری و فلسفیانہ افکار میں استفادہ کیا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔بھرتری ہری، گایتری (آفتاب) اور دیگر سنسکرت شہکاروں سے اقبال کی دلچسپی اور ان کے اثرات ہندوستان کے تہذیبی اور لسانی سیاق میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں اور اقبال کے تنگ نظر ناقدین کا مثبت جواب ہیں۔

بی ہیل وارتھم (B. Hale Wortham) نے اپنے نثری تراجم میں ''نیتی شتک'' کے شلوکوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ مثلاً اخلاقیات، عقل و دانش، استقامت کی تعریف، دولت و امارت، گمراہ و کمینہ خصلت لوگ، اچھے اخلاق، رواداری، استقلال و استقامت، تقدیر کی قوت، عمل کی اہمیت وغیرہ اسی طرح ''ویراگ شتک'' کو خواہشات کی گمراہ کن خصوصیات، خواہشات کی اعلیٰ طاقت، حسن کی مخالفت، انسانوں کی بڑائی، عزت و وقار، آزادی و خواہشات، مغائرت، وقت وغیرہ سے متعلق شلوکوں۔ ان موضوعات میں سے اکثر مثلاً عقل، تدبیر، تقدیر، استقامت، عمل/کردار، عزت و وقار، دولت و امارت، بلند اخلاق وغیرہ اقبال کی شاعری کا بھی موضوع ہیں جنہیں انھوں نے تمام تر شاعرانہ خصوصیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بھرتری ہری کی شاعری کی تشریح اور توضیح ان کے شارحین نے مختلف انداز سے کی ہیں۔ ان میں سے بعض نکات کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے اس سلسلے میں میں اپنی بات ''جوہرِ تثلیث'' کے مترجم بابو گوری شنکر لال اختر کی رائے پر ختم کرنا چاہوں گا۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگر بھرتری ہری جی کہیں شرنگار رس کے بیان میں مذمت کے کلمے استعمال کر گئے ہیں تو وہاں پڑھنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ نہ تو کرم یوگی تھے نہ اُپاسنا اور بھگتی کے حامی تھے۔ بلکہ وہ گیانی تھے اور اس نگاہ سے کرم اور اُپاسنا کا کھنڈن کرنا انسان کے لئے ناموزوں ہے۔ کیوں کہ ویراگی اور گیانی دراصل کرم اور بھگتی کے طبقات سے کہیں اونچے ہوتے ہیں۔ نیتی، شرنگار او ویراگ میں دراصل پرلے، استھی اور سرشتی کے تماشے ہیں، نظرِ غائر سے دیکھنے والے راج رشی بھرتری ہری کے

نیتی، شرنگار اور ویراگ شتک میں برہما، وشنو، اور مہیش کی وہ نرالی اور خوبصورت تصویر دیکھ سکتے ہیں جس کے خاکہ کھینچنے کی کوشش پورانوں کے مصنفین نے بڑے آب و تاب کے ساتھ لفظوں کے خط و خیال کے سلسلے میں کی ہے۔ وہ تصویریں گو خیالی ہوں مگر اصلی ہیں، کیوں کہ خیال بھی اپنی اصلیت رکھتا ہے۔ کارن، شوکشم، ستھول رچناؤں کی جھلک انہیں تینوں تینوں تصویروں کی بندش میں جاتی ہے۔''[۱] بھرتری ہری کی شاعری کی یہ توضیح غالب کے اس شعر کی مصداق ہے کہ۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

☆

اردو میں بھرتری ہری کے مختلف ترجموں کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ بھرتری ہری سے عام اردو قارئین کی طرح میرا بھی پہلا تعارف اقبال کی بال جبریل کے سرنامہ سے ہوا اور اسی سے بھرتری ہری کے بارے میں تفصیلات جاننے کا شوق بھی پیدا ہوا، مگر اس مطالعہ کا موقع مجھے ۱۹۸۵ء میں ملا۔ میرے دوست ڈاکٹر ایم. ایس. بھٹ (سابق ریڈر، شعبہ سنسکرت، بمبئ یونیورسٹی) نے مجھے باربرا اسٹولرملر کے بھرتری ہری کی نظموں کے انگریزی تراجم دیئے، میں نے اسی زمانے میں انگریزی ترجموں کے ساتھ ڈاکٹر بھٹ کے ساتھ اصل سنسکرت ترجمے بھی پڑھے اور انہیں سمجھنے کی کوشش کی۔ پھر میری دوست ڈاکٹر کمل ویلنکر (ریڈر شعبۂ لسانیات، بمبئ یونیورسٹی) نے بھرتری ہری سے متعلق کئی کتابوں کی نشاندہی کی۔ بمبئ یونیورسٹی کی لائبریری میں مجھے انگریز اور ہندوستانی عالموں کے متعدد ترجمے ملے جن کا میں وقتاً فوقتاً مطالعہ کرتا رہا اور مطالعہ کرتے ہوئے باربرا اسٹولرملر کے انگریزی ترجمے کو بنیاد بنا کر جو پروفیسر ڈی ڈی کوسمبی کی اعلیٰ تاریخ ساز تحقیق پر مبنی ہے، میں نے انگریزی سے اردو میں ترجمے کرنے شروع کئے۔ اسی دوران چند ترجمے پروفیسر قمر رئیس نے اپنے سہ ماہی رسالے ''نیا سفر'' (دلی) میں شائع کئے اور ان تراجم کو سراہا۔ بعد میں چند ترجمے پروفیسر مغنی تبسم نے ''شعر و حکمت'' اور ''سب رس'' (حیدرآباد) میں بھی شائع کئے۔ انہوں نے بھی ان ترجموں کو پسند کیا۔ بعد میں پروفیسر ڈی ڈی کوسمبی کے مستند متن پر مشتمل باربرا اسٹولرملر کے تراجم سے جو تعداد میں کل دوسو ہیں، میں نے ان کا اردو میں مکمل ترجمہ کیا۔

۱- جوہر تثلیث یعنی بھرتری ہری شتک از بابو گوری شنکر لال اختر ۱۹۱۳ء، ص ۱۸-۱۹

مجھے شاعر ہونے کا دعویٰ نہیں ہے، تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ یہ تراجم غیر پابند مگر منظوم ہوں۔ ترجمہ کرتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ منظوم تراجم کرنے کی اپنی خواہش کے باوجود بہت سے ترجمے میری گرفت میں نہیں آسکے اور چند نثری ترجمے بن گئے۔ مگر مستند متن کے ترجمے ہونے کی وجہ سے میں نے انہیں بھی کتاب میں شامل کرنا ضروری سمجھا۔ ۱۹۸۸ء میں میں نے یہ تراجم ممتاز شاعر علی سردار جعفری کی خدمت میں بنظرِ اصلاح پیش کئے۔ جعفری صاحب نے ازراہِ محبت یہ ترجمے دیکھے اور انہیں پسند فرمایا۔ انہوں نے ان تراجم پر کہیں کہیں اصلاح بھی کی اور ازراہِ نوازش اس کتاب پر دیباچہ بھی تحریر فرمایا اور چند نثری ترجموں کے باوجود انہیں قابلِ اشاعت قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس طرح کے پروجیکٹ میں اس طرح کی صورتِ حال کا پیدا ہونا فطری ہے۔ جعفری صاحب نے اس پر ۱۹۹۸ء میں دیباچہ لکھا، اس حالت میں کہ وہ شدید بیماری سے گزر رہے تھے۔ یہ دیباچہ ان کی آخری تحریر ہے۔ اور یہ کتاب اب ان کی وفات کے تقریباً چار سال بعد شائع ہو رہی ہے۔ میں سردار جعفری صاحب کی شفقتوں کے لئے شکر گزار بھی ہوں اور دعا گو بھی کہ خدا انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ ''جوہرِ تثلیث'' کا نایاب نسخہ مجھے میرے کرم فرما اور بزرگ مرحوم محمود سروش صاحب نے ازراہِ محبت اور علم دوستی عنایت فرمایا تھا۔ میں ان کے لئے بھی دعا گو ہوں کہ خدا انہیں بھی اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ میں متبحر عالم اور مؤرخ ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب پر نہ صرف پیش لفظ لکھا بلکہ ہر طرح سے میرے کام کو سراہا اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ کتاب جب اشاعت کے آخری مراحل میں تھی تو عزیزِ مکرم جناب عبدالاحد ساز نے بھی چند مفید مشوروں سے نوازا، میں ان کے اس لطفِ خاص کے لئے ان کا شکر گزار ہوں۔ اس کتاب کی اشاعت میں میرے بڑے بھائی محمد قاسم دلوی (استاد لینگویج سینٹر، اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن سٹڈیز (لندن)، میرے دوست اور نامور محقق ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب اور میرے عزیز اور کرم فرما جناب شمس الدین آغا (لندن) کا بھی ممنون ہوں جن کی عملی دلچسپی کی وجہ سے یہ کتاب منظرِ عام پر آسکی۔ آخر میں اپنے عزیز جاوید یوسف کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کو حسنِ طباعت سے آراستہ کیا۔

عبدالسلام دلوی

یکم جنوری ۲۰۰۴ء

۱۳/۳ الہلال، باندرہ ریکلمیشن، ممبئی ۴۰۰۰۵۰

بھرتری ہری کے اولین اردو ترجمہ جوہر تثلیث کے سرورق کا عکس

جوہر تثلیث

یعنی

بھرتری ہری شتک

مکمل

تین مشہور نیتی ۔ شرنگار ۔ اور ویراگ شتکوں کا

معنی خیز ۔ سلیس اور عام فہم اردو ترجمہ

معہ

ایک دلچسپ اور مبسوط دیباچہ اور باکمال مصنف کی سوانح عمری کے

از

بابو گوری شنکر لال صاحب اختر رئیس نادہ کشنی ضلع سلطانپور اودھ

مینجر سادھو سرسوتی بھنڈار ستو دوشی وغیرہ وغیرہ دہلی

بار اول (جملہ حقوق محفوظ ہیں) تعداد ۱۰۰۰

بھرتری ہری کے اولین اردو ترجمہ جوہر تثلیث کی فہرست کا عکس

بھرتری ہری شتک ۴ فہرست مضامین

فہرست مضامین

تراجم

بھرتری ہری
کی ایک منتخب نظم کا اردو روپ

☆

آدمی ہے کسی بچے کی طرح سے معصوم
اور کبھی جوشش جذبات سے بھرپور جواں
بعض حالات میں اک مفلس ومحتاج ہے وہ
اور کبھی منعم وخوش حال ہوا کرتا ہے
اک ادا کار ہے جو عمر کے ڈھلتے ڈھلتے
شکن آلود بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے
آخرش موت کی وادی میں وہ کھو جاتا ہے
پردہ گر جاتا ہے اور کھیل بکھر جاتا ہے۔

☆☆

اخلاقیات

۱

دیوتا شیو کو سلام
جن کی پیشانی پہ روشن ہے ہلال
جن کی اک شمع نوازش کی بھڑکتی ہوئی لو
کتنے دیوانے پتنگوں کو جلا دیتی ہے
جن کے پیغام کی پر شور گرجتی آواز
جہل کی کالی گھٹاؤں کو اڑا دیتی ہے
دیوتا شیو کو سلام
شمع دانش کی طرح جن کی جبیں روشن ہے
چاہنے والوں، پرستاروں کے ذہنوں میں سدا

☆☆

۲

ایک مدقوق و منحنی کتا
لنگڑا لولا بھی اور اندھا بھی
اپنی دُم اور بالوں سے محروم
جسم سارا سڑا ہوا جس کا
جس کے زخموں میں رینگتے کیڑے
سوکھا، دبلا سا اور فاقہ زدہ
پھر رہا ہے گلی گلی بھوکا
اپنی مادہ کو جب بھی دیکھے گا
اس کے پیچھے ضرور جائے گا
جس کو کہتے ہیں جذبۂ شہوت
ہے وہ مردے کو بھی جلا دیتا

☆☆

۳

اہلِ دانش بھی ہیں ہوس کا شکار
اہلِ ثروت ہیں مبتلائے غرور
اور جہالت میں مبتلا ہیں عوام
کیا کہوں، دیکھ کر یہ منظر تو
ہو گئی ہے میری زباں بھی گنگ

☆☆

۴

کسی غریب کی ہر گز نہ جان لینا تم
کبھی حسد نہ کرو تم پرائی دولت پر
زندگی میں ہمیشہ سچ بولو
اپنے مقدور بھر کرو خیرات
راز رہنے دو عورتوں کا چلن
نفس کو بے لگام مت چھوڑو
سب بزرگوں کا احترام کرو
ساری دنیا کے دردمند بنو۔
یہ سبق دائمی مسرت کا
سب صحیفوں میں ہے ہوا تحریر

☆☆

۵

علم و دانش سے جب میں عاری تھا
خود پہ کتنا غرور تھا مجھ کو
جیسے اک فیلِ مست و آوارہ
ہو گئی تھی مجھے غلط فہمی
گویا ''میں بھی ہوں ایک دانشور''
ہاں مگر جب میں ایک بار ملا
عقل مندوں سے اہلِ دانش سے
ڈھل گیا اس طرح سے میرا غرور
جیسے بیمار کا بخار اترے
اور پھر مجھ کو یہ ہوا معلوم
''میں حقیقت میں ایک جاہل ہوں۔''

☆☆

٦

مجھ پہ حاوی تھا نفسِ امّارہ
میں نے دنیا میں صرف عورت کو
حاصلِ کائنات سمجھا تھا
ہاں مگر عقل جب ہوئی بیدار
میں نے سمجھا کہ رونقِ ہستی
صرف دانشوروں کے دم سے ہے

☆☆

۷

اک فلک بوس قصرِ شاہانہ
جمگھٹے نازنیں حسینوں کے
سازوسامان عیش وعشرت کے
سب لوازم ہیں مال ودولت کے
جب کہ جوشِ عمل بھی شامل ہو
اور اگر یہ نہیں تو پھر آخر
سارا ماحول عیش وعشرت کا
ہو کے رہتا ہے نذرِ عیاشی
قعرِ ماضی میں ڈوب جاتا ہے

☆☆

۸

مردِ ناداں ہے اپنے حال میں مست
ہے یہی حال اہلِ دانش کا
ہاں! مگر ہیں جو درمیان کے لوگ
وہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے

☆☆

۹

آدمی صف شکن بھی ہوتا ہے
شیر و اژدر کو مار لیتا ہے
بحرِ ذخّار کے تلاطم میں
تیر کر اس کو پار جاتا ہے
ہاں! مگر وہ بدل نہیں سکتا
مردِ ناداں کی فکر کا انداز

☆☆

۱۰

دن کے وقت اک بجھا بجھا سا چاند
ایک عورت شباب سے محروم
جھیل جس میں کنول نہ کھلتے ہوں
ایک مردِ وجیہہ اور گونگا
عیش و عشرت میں مست اک زردار
مردِ صالح اگر ہو بدکردار
بادشاہ کا مصاحبِ بے عقل
سات کانٹے چبھے ہیں دل میں مرے

☆☆

۱۱

جوہری کا تراشیدہ اک ہیرا
جنگ کے میدان میں زخمی سپاہی
جذبۂ شہوت کا مارا فیل مست
گرم موسم میں ندی کے ساحلِ خشک
آخری ایّام میں وہ دن بدن گھٹا ہوا چاند
بستروں میں لٹنے والی ایک عورت کا شباب
مال وزر خیرات کرنے والا اک مردِ شریف
ایسے لوگوں کی زبوں حالی بھی ہے کتنی حسین

☆☆

۱۲

کس قدر جدّ و جہد کرتا ہے بھوکا
جَو کی روٹی کے لئے
پیٹ بھر جانے پہ دنیا
اس کی نظروں میں حقیر
درحقیقت ہے یہی تقدیرِ انسانی کا راز
زندگی عزت تو دے گی مال وزر ہرگز نہیں

☆☆

۱۳

گفتگو ان کی دین پر مبنی
علم بھی ان کا قابلِ تحصیل
ایسے دانا کسی حکومت میں
گر غریبی کے ساتھ جیتے ہیں
حکمرانوں کی ہے یہ نااہلی
اہلِ دانش جو ہیں حقیقت میں
مفلسی میں بھی مال دار ہیں وہ
ان کی نظروں میں لعل و گوہر کی
کوئی قیمت نہ کوئی وقعت ہے
ایسے لوگوں کو جو نہیں سمجھا
واقعی قابلِ ملامت ہے

☆☆

۱۴

نامساعد وقت میں باحوصلہ
اور خوشحالی میں ضبط و احتیاط
صحبتِ یاراں میں ہو شیریں مقال
جنگ کے موقع پہ اک مردِ شجیع
کسبِ شہرت اور حصولِ نیک نامی میں مگن
مذہبی تعلیم سے ہو اُنسیت
ہیں یہ باتیں اک شریف انساں کی فطرت کا خمیر

☆☆

۱۵

عقل اک لازوال دولت ہے
اور مسرت کا ایک سرچشمہ
چور اس کو چرا نہیں سکتا
جس کو تقدیر سے یہ مل جائے
اور بڑھتی ہے اور بڑھتی ہے
اور کبھی ختم ہو نہیں سکتی
عقل مندوں سے لوگ جلتے ہیں
یہ رویہ بھی نامناسب ہے
ان کا ثانی ہے کون دنیا میں؟

☆☆

۱۶

ایسے انسانوں کو مت جانو حقیر
ہیں حقیقی سرِّ فطرت کے امین و راز داں
مال و زر جن کے لئے سب ہیچ اور
بے اصل ہیں
قیمتی زربفت کی شالوں میں لپٹا فیلِ مست
جس کی پیشانی پہ
رنگیں دھاریوں کے ہوں نقوش
وہ کنول کے پھول کی ڈالی سے بندھ سکتا نہیں

☆☆

۱۷

کوئی بھی فاقہ زدہ کمزور اور بوڑھا سا شیر
زندگی کی تلخیوں میں سر بسر ڈوبا ہوا
عشرتِ رفتہ کی رنگیں یاد میں الجھا ہوا
در حقیقت جیتے جی مُردوں میں ہے اس کا شمار
جب وہ اک آراستہ پیراستہ
ہاتھی کی پیشانی پہ رکھتا ہو نظر
اور اس کا گوشت کھانے کی تمنا دل میں ہو
دشت میں وہ شیر سوکھی گھاس کھا سکتا نہیں
کیوں کہ خودداری میں
اس کا کوئی بھی ثانی نہیں

☆☆

۱۸

آدمی کو چاہیے انصاف پر چلتا رہے
موت بھی آ جائے تو ہرگز نہ غدّاری کرے
کم سوادوں کو نہ ہرگز اپنی ناداری بتائے
اپنے مفلس دوستوں سے بھی
نہ مانگے کوئی چیز
ہر مصیبت اور پریشانی میں ہو سینہ سپر
اور بزرگوں کے عمل کی پیروی کرتا رہے
ہے یہ نکتہ ایک شمشیر برہنہ سے بھی تیز
کون تھا وہ جس نے یہ نکتہ بتایا تھا ہمیں؟

☆☆

۱۹

ایسے لوگ بھی کم ہوتے ہیں
جن کے خیال وقول وعمل
نور کا اک مینارہ ہیں
جن کی فیّاضی، ہمدردی
دنیا پر چھا جاتی ہے
اوروں کے اوصاف ہمیشہ
بڑھا چڑھا کر بتلاتے ہیں
اپنی مسرت اپنی خوشیاں
بانٹتے رہتے ہیں دنیا کو

☆☆

۲۰

جیسے وشنو دیوتا ہیں محوِ خواب
دشمنوں کو ان کے پاس آنے کی
جرأت بھی نہیں
ان پہاڑوں کے محافظ بھی ہیں وہ
اڑتے پھرتے ہیں
جو عفریتوں سے بچنے کے لئے
سہہ رہے ہیں جو مسلسل نارِ دوزخ کا عذاب
جس کے شعلوں سے مفر ہرگز نہیں......
یوں ہی اس سطحِ سمندر پر غضب کا بار ہے

☆☆

۲۱

مخملیں بستر پہ سوئے یا کہ فرشِ خاک پر
ساگ سبزی کھائے یا اعلیٰ غذائیں بیشتر
چیتھڑے ہی پہنتا ہو، یا لباسِ فاخرہ
ایک صوفی جب کبھی یادِ خدا میں محو ہو
رنج و راحت سے
وہ ہو جاتا ہے بالکل بے نیاز

☆☆

۲۲

لوگ تقدیر کے قائل ہیں، مگر کہتے ہیں
ہم کو تدبیر و عمل کا ہی صلہ ملتا ہے
ہاں! مگر صرف عمل ہی سے ہر اک چیز ملے
پھر تو تقدیر کی، قسمت کی ضرورت کیا ہے؟
اصل میں جوشِ عمل سب سے اہم ہوتا ہے
سرنگوں ہوتی ہے تقدیر بھی جس کے آگے

☆☆

۲۳

میں بتاتا ہوں تجھے اے مردِ ناداں! ہوشیار
بادشاہوں کو کیا گندے مشیروں نے تباہ
دشمنِ رہبانیت ہوتا ہے انسانی سماج
ناز برداری سے ہو جاتے ہیں بچے خود پسند
دین سے لاعلمیت عالم کے حق میں زہر ہے
بیشتر گھر ہو گئے آوارہ بیٹوں سے تباہ
صحبتِ بد سے بگڑ جاتا ہے اکثر آدمی
اور شرافت کیلئے اک زہرِ قاتل ہے شراب
اہتمامِ کار، لاپروائی کے بس کا نہیں
فاصلے ہوں درمیاں تو پیار بھی گھٹ جائے ہے
باہمی بے اعتمادی ہے رقیبِ دوستی
بدنصیبی ہو تو خوش حالی کا رہنا ہے محال
اور عیاشی کو کم ہے دولتِ قارون بھی!

☆☆

۲۴

آدمی کی زباں کا کیا کہنا
بے حسی نام ہے شرافت کا
زہد کو بھی فریب کہتے ہیں
نامِ معصومیت ریا کاری
اور شجاعت کا نام بے رحمی
نامِ رہبانیت ہے مکّاری
اور تملّق ہے نامِ ہمدردی
خودسری عظمت و جلال کا نام
خوش بیانی کا نام ہے بکواس
اک وفا کیش آدمی نامرد!
کوئی ایسا ہے وصفِ انسانی
لوگ جس کو نہ متّہم کر دیں؟

☆☆

۲۵

اپنا یہ اعلیٰ نسب نارِ سقر میں ڈال دو
اس کے نیچے پھینک دو اوصافِ ذاتی کو تمام
کوہ کی چوٹی سے نیچے ڈال دو کردار کو
نذرِ آتش کر دو اپنی خاندانی عظمتیں
جرأتِ بے فیض پر اے کاش! بجلی گر پڑے
تا کہ ہم کو ایسی دولت مل سکے جس کے بغیر
سارے دنیاوی علائق ہیچ ہیں۔

☆☆

۲۶

ایک چوہا کاٹ کر اک ٹوکری کو
اس کے اندر گھس گیا
رات کو اس ٹوکری میں سانپ اس کو کھا گیا
جو پڑا تھا بھوک سے بدحال اور بے ہوش سا
گوشت چوہے کا ملا کھانے کو، تو جان آ گئی
سیر ہو کر پھر اسی سوراخ کی
رہ سے وہ باہر آ گیا
آدمی کا مرنا جینا اتفاقی بات ہے

☆☆

✳

۲۷

آدمی گر کمینہ فطرت ہے
علم بھی اس کا قابلِ نفرت
سانپ کے سر پہ تاج ہوتا ہے
پھر بھی ڈس لے تو مار ہی ڈالے

☆☆

✳

۲۸

دودھ کو جب ابالتے ہیں، ہم
اس میں پانی ملا کے رکھتے ہیں
جب بھڑکتے ہیں آگ کے شعلے
دودھ جلتا تو ہے، مگر پانی
اس مصیبت میں آڑے آتا ہے
پھونک دیتا ہے خود وہ اپنا وجود
دودھ جب دیکھتا ہے اس کا حال
تلملاتا ہے، سنسناتا ہے
ڈال دیتے ہیں اس میں پھر پانی
دودھ کو تب سکون ملتا ہے
نیک لوگوں کی دوستی ہے یہی!

☆☆

۲۹

گاہے نیکی میں بدی کو بھی بدل دیتی ہے وہ
احمقوں کو اہل دانش
اور دشمن کو بنا دیتی ہے دوست
کردیا اسرارِ سربستہ کا اس نے انکشاف
زہر کو تریاق بھی اس نے بنایا بارہا
اس لئے سچائی کی دیوی کی پوجا تم کرو
ہوسکو تم تا کہ اس کی رحمتوں سے مستفید
نیز دیگر نعمتوں کی جستجو کرتے ہوئے
ذہن کو اپنے پریشاں مت کرو۔ اہلِ خرد!

☆☆

۳۰

ایک کتا خالی ہڈی کو بھی
نعمت کی طرح کھا جائے گا
چاہے وہ کیڑوں بھری ہو
تھوک میں لتھڑی ہوئی، بوسیدہ ہی
وہ کیوں نہ ہو
دیوتا بھی کوئی اس کے سامنے آ جائے تو
اس کو بھی وہ بوالہوس کھا جائیگا
کم نصیبوں کو بھلا احساسِ بدبختی کہاں!

☆☆

۳۱

وہ گناہوں سے دور رکھتا ہے
اچھے اخلاق بھی سکھاتا ہے
آپ کے راز وہ چھپاتا ہے
خوبیوں کو بیان کرتا ہے
آپ کو ہرگز پریشاں حال چھوڑے گا نہیں
بلکہ ہر ممکن اعانت بھی کرے گا آپ کی......
ایک لائق دوست کی پہچان
اہلِ دانش نے بتائی ہے یہی

☆☆

۳۲

گھاس ہرنی کو، آب ماہی کو
مرد کو چاہیے سکون و امن
اک شکاری، مچھیرا اور سنکی
ان کے بس بدترین دشمن ہیں

☆☆

۳۳

بوند پانی کی گرم لوہے پر
گر پڑے تو وجود کھو بیٹھے
برگِ گل پر اگر گرے اک بوند
اس کو موتی کی آب و تاب ملے
اور وہی بوند گر صدف میں پڑے
جا کے بن جائے گوہرِ نایاب
اس طرح آدمی بھی صحبت سے
خود شریف و رذیل بنتا ہے
☆☆

۳۴

آدمی کا بھی پھول کی مانند
دو طرح کا نصیب ہوتا ہے
یا تو کھلتا ہے اونچے پربت پر
یا کسی دشت ہی میں مرجھا جائے
☆☆

۳۵

بادشاہوں کے جو ہیں درباری
کم سخن ہیں تو گویا گونگے ہیں
خوش بیاں ہیں تو چاپلوس ہیں وہ
ہیں اگر پرخلوص تو گستاخ
ہیں کم آمیز تو غبی کودن
ہیں جو صابر تو بزدل و کم ظرف
تیز و طرّار ہیں تو بے تہذیب
اور نیابت کے کیا ضوابط ہیں
اہلِ دانش نہیں سمجھ پاتے۔

☆☆

۳۶

مردانِ باصفا کا یہ طرزِ عمل ہے دنیا میں
غیروں کی خوبیوں کو بیاں کر کے
یہ پاتے ہیں احترام
ان کے اوصاف کی ستائش بھی لوگ کرتے ہیں
اصل میں دوسروں کی محنت سے
کس قدر کام ان کے بنتے ہیں
بدمعاشوں کے طنز اور دشنام
ان کی سنجیدگی کے آگے شرمندہ
ساری دنیا کے محترم ہیں۔ بزرگانِ پاکباز
کون ہے جو کرے گا نہ ان کا احترام ؟

☆☆

۳۷

حرص وطمع سے بڑھ کے برائی نہیں کوئی
بہتان واتہام ہے سب سے بڑا گناہ
عامل اگر ہے حق وصداقت پہ آدمی
اس کے لئے معافی وتوبہ نہیں ضرور
گر ہے صفائے قلب تو بیکار محض ہے
مذہب کا اور حج وزیارت کا اہتمام
ہو جذبۂ خلوص رفیقوں کی کیا کمی
اور عظمت وجلال غلو سے ہے بے نیاز
دانش کے آگے ہیچ ہے دنیا کا مال وزر
دُھلتا نہیں ہے موت سے رُسوائیوں کا داغ

☆☆

۳۸

یہ تو ممکن ہے کہ اک صیّاد بد بخت وحریص
قید کر لے ہنس کو آ کر کنول کی جھیل سے
اور اسے محروم کر دے دائمی آزادیوں سے
لیکن اس کو، اس کے فطری وصف سے
محروم کر سکتا نہیں
کہ اس کو دودھ سے پانی
جدا کرنے کا فن معلوم ہے

☆☆

۳۹

ایک گنجے کا کھلا سر دھوپ میں تپنے لگا
جستجو میں سائے کی، اک پیڑ کے نیچے گیا
وائے قسمت! اک بڑا سا کیتھ اوپر سے گرا
جس سے اس کے سر کی
نازک کھال پھٹ کر رہ گئی
در حقیقت کوئی بدقسمت جہاں بھی جائے گا
کچھ مصائب بھی اسی کے ساتھ ہی رہ جائیں گے

☆☆

۴۰

حسن کی رعنائیاں - اعلیٰ نسب
پختہ کرداری ہو یا علم و ہنر
یا خلوصِ دل سے کی جانے والی خدمتیں
یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کا کوئی بھی ثمرہ نہیں
صرف توبہ کر کے حاصل کی ہوئی خوش بختیاں
وقت آنے پر درختوں کی طرح
اپنے پھل انسان کو دے جاتی ہیں

☆☆

۴۱

شاہزادوں اور امیروں کی سخاوت
فاتحانِ جنگ کی جھوٹی تعلّی
فلسفی کی بردباری اور متانت
گوشہ نشیں بزرگ کا خاموش نظم وضبط
اہلِ دولت کی سخاوت، جذبۂ دریادلی
صوفیوں کی خوشدلی، سنجیدگی
حکمرانوں کی رواداری کا وصف
بے ریائی، غیر جانبداریاں بزرگوں کی
درحقیقت ساری چیزیں
ان سبھی لوگوں کی زینت ہیں
لیکن سارے باقی ماندہ انسانوں کا زیور
ان کی خوش کرداری۔
جو کہ سب اوصاف کا ہے سرچشمہ

☆☆

۴۲

یہ آدمی کی حماقت کو ختم کرتی ہے
گھول دیتی ہے گفتگو میں سچائی
اک نیا احترام دیتی ہے
اور گناہوں سے پاک کرتی ہے
شہرتوں کو فروغ دیتی ہے
نیک صحبت بھی آدمی کے لئے
کون سا کام کر نہیں سکتی؟

☆☆

۴۳

کم ہیں دنیا میں اس طرح کے لوگ
نیک صحبت کو جو پسند کریں
دوسروں کی صلاحیتوں پہ خوش ہو جائیں
جو بزرگوں سے انکسار کریں
علم کی جستجو میں رہتے ہوں
اپنی بیوی سے پیار کرتے ہوں
کذب اور افترا سے ڈرتے ہوں
اور عبادت خدا کی کرتے ہوں
نفس پر اختیار رکھتے ہوں
صحبتِ بد سے دور رہتے ہوں
باصفا جو بزرگ ایسے ہیں
ان کا ہم احترام کرتے ہیں

☆☆

۴۴

ہوس کو چھوڑ قناعت کو اختیار کرو
نہ بڑھنے پائے غرور اور ذہنی عیاشی
راست گوئی کی سیدھی راہ چلو
اور کرو اہلِ علم کی توقیر
قابلیت کا احترام کرو
دشمنوں کو بناؤ دوست اپنا
خوبیاں اپنی ، پردۂ انکسار میں رکھو
نیک نامی بھی برقرار رہے
بدمعاشوں کو رکھّو قابو میں
شرفا کا یہی وطیرہ ہے

☆☆

۴۵

کوئی بھی بھلا یا برا کام کرنے سے پیشتر
ایک مردِ دانا سارے ممکن نتائج نظر میں رکھتا
ہے
جلد بازی کے کام کا انجام
ایسے ناوک کی طرح ہوتا ہے
جو پلٹ کر سینۂ ناوک فگن میں چبھ جائے
اس کا دل چیر کر، اسے ہلاک کرے

☆☆

۴۶

دشت وصحرا میں، یا دشمنوں کے نرغے میں
کسی سیلاب میں، یا بھڑ کتے شعلوں میں
سمندر کی تہوں میں یا پربتوں کی چوٹی پر
سونے والے یا کہ خطروں میں گھرے انسان کے
پورے تحفظ اور بقا کے واسطے
اس کے پچھلے جنم کے اعمال
اس کے کام آتے ہیں

☆☆

۴۷

ہے دشت اس کے واسطے اک قصرِ پُرشکوہ
ملتا ہے اس کو پیار ہر اک خاص و عام کا
دنیا نوازتی ہے اسے مال و زر کے ساتھ
ہیں آدمی کے ذوقِ عمل کی یہ برکتیں

☆☆

۴۸

بحر کی گہرائی میں غوطہ لگا سکتے ہو تم
کوہِ فلک بوس کی چوٹی پہ جا سکتے ہو تم
رزم گہہ میں دشمنوں کو زیر کر سکتے ہو تم
سیکھ سکتے ہو زراعت اور تجارت کے اصول
یا کہ حاصل کر لو سارے قیمتی علم و فنون
یا کہ چڑیوں کی طرح پرواز کرنے کے لئے
تم بھی کر سکتے ہو انتھک کوششیں
ایسے سارے کام کر سکتے ہو تم
ہاں! مگر اعمال پچھلے جنم کے
روک دیتے ہیں تمہیں اس کام سے
جو مقدر میں نہیں لکھا گیا
اور تمہیں مجبور کر دیتا ہے قسمت میں لکھا
ہر کام کرنے کے لئے

☆☆

۴۹

گرچہ اندر دیوتا کا رہنما تھا دانشورِ برہسپتی
طوفانِ برق رعد ان کا مستقل ہتھیار تھا
کتنے سارے دیوتا شامل تھے ان کی فوج میں
قلعہ ان کا جنت الفردوس کا تہہ خانہ تھا
اور سواری ان کی ''ایراوت'' نا قابلِ تسخیر فیل
اور وشنو دیوتا ان کے حلیف
جانے کتنے راکشش مارے تھے اپنے گرز سے
غیر معمولی جواں مردی کے وہ حامل بھی تھے
رزم گہہ میں کھا گئے لیکن شکست
شومیِ قسمت کے آگے زورِ بازو کام آ سکتا نہیں

☆☆

۵۰

فیاضی و سخاوت، عیّاشی و ہوس
دشمن ہیں آدمی کے زر و مال کے تمام
لیکن وہ ایک مردِ بخیل و لئیم جو
خود کھا سکے نہ اور کسی کو کھلا سکے
برباد ہو کے رہتا ہے دنیا میں ایک روز

☆☆

۵۱

ہے مال وزر تو آدمی عالی نسب بھی ہے
عالم ہے، عقلمند ہے، باامتیاز ہے
وہ خوش بیاں ہے اور شکیل وجمیل بھی
یہ سب صفات اصل میں بس مال وزر کی ہیں

☆☆

۵۲

دیوتا ان قیمتی ہیروں سے ہرگز خوش نہ تھے
جو نکالے تھے انہوں نے بحر کی گہرائی سے
زہر قاتل بھی نکل آیا سمندر سے مگر
دیوتاؤں نے نہ روکا اپنا کام
آخرش چھوڑی انہوں نے تب سمندر کی کھنگال
جب کہ اس کی تہہ سے برآمد ہوا آبِ حیات
اپنے مقصد سے نہیں پھرتا ہے عزمِ مستقل

☆☆

۵۳

رات دن گردش میں ہیں شمس وقمر
لوگ ان کو مانتے ہیں محترم
ہاں مگر راہو نے پی امرت کا جام
پالیا ہے غیر معمولی مقام
ان سے لڑنا بھی سمجھ رکھا ہے عار
راکھشش راہو بریدہ جس کا سر
بن گیا ہے دیوتا وشنو کے قہر و جبر کی اک یادگار
اک مقرر وقت پر وہ
چاند سورج سے لیا کرتا ہے اپنا انتقام
رات اور دن کے درخشاں حکمرانوں پر کبھی
گہن کی صورت میں چھا جاتا ہے وہ

☆☆

۵۴

حق پرست انساں کے کانوں کے لئے
وید کی آواز راس آتی ہے آویزے نہیں
اس کے ہاتھوں کو سخاوت چاہیے، کنگن نہیں
رحم کے جذبات سے آراستہ اس کا بدن
صندل کی مالش سے نہیں

☆☆

۵۵

ہیں نزاکت آشنا جذبات کے
شاعرانِ محترم ہیں خوش نصیب
اپنی شہرت کے بدن میں زندگی جیتے ہوئے
ان کو پیری، موت،
دوبارہ جنم کا کوئی خطرہ ہی نہیں

☆☆

۵۶

ناظمِ دنیا برہمانے آدمی کی قسمت میں
کم یا زیادہ جتنی دولت دیکھ لی ہے
اس کو بالآخر وہ لے لیں گے ضرور
گرچہ اب ان کی رہائش کوہِ طلائی پر نہیں
صحرا میں ہے
ایک برتن کو کنویں میں
یا سمندر میں ڈبو کر دیکھ لو
اس کی گنجائش سے زیادہ
پانی اس میں آ سکتا نہیں

☆☆

٥٧

ایک کتا دم ہلا کر، پاؤں چھو کر
اور مضحک حرکتیں کرتا ہوا
جو اسے روٹی دے اس کی چاپلوسی کرتا ہے
جبکہ اک خوددار فیل دیو قامت
کرتا رہتا ہے نظر انداز سب کو
اور اپنا چارہ کھاتا رہتا ہے
جب کہ دیگر لوگ کرتے ہیں تواضع آپ اس کی

☆☆

٥٨

بادشاہوں سے میں یہ کہتا ہوں
تم اگر اپنی بادشاہت کو
گائے کی طرح دوہنا چاہو
پہلے دنیا کی پرورش بھی کرو
جیسے چھوٹا سا گائے کا بچہ
چارے دانے سے پالا جاتا ہے
تم اگر اپنی اس حکومت کو
عدل و دانشوری سے پالو گے
یہ تمہیں اس طرح سے پھل دے گی
جیسے بیلوں میں خوشۂ انگور

☆☆

۵۹

مخلص و پر فریب ہوتا ہے
سخت شیریں کلام ہوتا ہے
بے رحم بھی ہے رحمدل بھی ہے
بخل بھی اس میں ہے سخاوت بھی
کبھی عیاش اور کبھی جز رس
بادشاہوں کا ہے جو طرزِ عمل
ایک ہرجائی بیسوا کی طرح
لمحہ لمحہ بدلتا رہتا ہے

☆☆

۶۰

تند خو بادشہ کی نظروں میں
قابلِ اعتنا نہیں کوئی
اک برہمن ہَوَن جو کرتا ہے
آگ چھولے تو جل ہی جاتا ہے

☆☆

٦١

رحم کا فقدان، جھگڑالو مزاج
دوسروں کی بیویوں پر اور دولت پر نگاہ
اور شریفوں اور اعزا سے غلط برتاؤ کرنا
ہاں رذیلوں اور بدکاروں کی فطرت ہے یہی

☆☆

٦٢

ایک تو پہلے پھیل جاتا ہے
اور پھر دھیرے دھیرے گھٹتا ہے
دوسرا پہلے کچھ نہیں ہوتا
پھر وسیع و عریض بنتا ہے
صبح اور دو پہر کے سائے میں
فرق جو ہے وہی تفاوت ہے
نیک و بد شخص کی رفاقت میں

☆☆

٦٣

آتے ہیں پھل تو پیڑ کی جھکتی ہیں ڈالیاں
بادل بھی نیچے آتے ہیں پانی کے بوجھ سے
دولت ملے تو مردِ نکوکار ایک بار
بن جاتا ہے کچھ اور زیادہ ہی منکسر
فطرت کی نعمتوں کا یہی ہے طریقِ کار

☆☆

٦٤

سورج کی شعاؤں سے جیسے
پانی میں کنول کھل جاتے ہیں
اور چاند کی کرنوں سے شب کو
پھولوں میں چمک آ جاتی ہے
برسات کے موسم میں بادل
سیراب زمیں کو کرتا ہے
اس طرح جو اچھے بندے ہیں،
دنیا سے بھلائی کرتے ہیں

☆☆

۶۵

جب کہ ہر احساس سے عاری ہے سنگِ آفتاب
دھوپ پڑتے ہی بھڑک اٹھتا ہے وہ
ایسی صورت میں کوئی حساس اور خوددار شخص
کس طرح برداشت کر لے گا سلوکِ بدبتا؟

☆☆

۶۶

قیادت، نیک نامی اور تحفظ اہل مذہب کا
سخاوت، عیش وعشرت اور رفیقوں کی مدد کرنا
اگر اک شخص ان اوصاف سے یکسر معریٰ ہے
تو پھر وہ شاہ کے دربار کے قابل نہیں ہوتا

☆☆

٦٧

وہ گویا عزم رکھتا ہے،
کنول کے نرم ریشوں سے
کسی فیل گراں جثہ کے پاؤں باندھ لینے کا
کلی کی نرم پتّی سے کوئی الماس پتھر
کاٹ دینے کا
شہد کے ایک قطرے سے سمندر قند کرنے کا
جو یہ کوشش کرے کہ ایک مردِ بے قرینہ کو
وہ دانائی کی باتیں کر کے راہِ راست پر لائے

☆☆

٦٨

دیوتا برہما نے وصفِ جہالت کو چھپانے کے لئے
دے دیا ہے غیر معمولی نقاب
جس کو جب چاہے پہن لو
مقدس صحبتوں میں اہلِ دانش کی
جاہلوں کی خامشی سے
ان کی عظمت اور ہوتی ہے فزوں!

☆☆

۶۹

جب کوئی انساں کھلا بدکار اور عیاش ہو
پچھلے جنموں کا غلط کردار ہو اس کی سرشت
پھر اسے تقدیر سے
عظمت و دولت بھی گر مل جائے ہے
تو وہ ان سب کا دشمن ہے
مزہ آتا ہے کیا لوگوں کو
ایسے دہقانی کی صحبت میں

☆☆

۷۰

علم ہے اک تاج سر پہ انساں کے
بیش قیمت اک دفینہ، علم ہے
منبعِ عیش و مسرت اور شہرت، علم ہے
انتہائی محترم استاد ہے
غربت و پردیس میں اک معتمد ساتھی ہے علم
اور تقدس کا ہے مینارِ بلند
بادشاہوں کی نظر میں
مال و دولت سے بھی برتر علم ہے
علم سے عاری ہے تو
انساں ہے وحشی جانور

☆☆

۷۱

شفقتیں احباب کی، یا غیر کی ہمدردیاں
زشت خوئی مردِ بدکردار کی
اور اک اللہ والے کا خلوص
ایک ظالم کی رعونت
اور دیانت ایک اہلِ علم کی
ایک دشمن کی شجاعت اور جانبازی کا وصف
اک معلّم کا تدبّر
عورتوں کا مکروفن
اپنے ان اوصاف کے حامل یہ لوگ
سب کے سب تخلیق کرتے ہیں سماج

☆☆

۷۲

عین زینت ہے سخاوت آدمی کے ہاتھ کی
اور بزرگوں سے عقیدت
ذہنِ انسانی کی عظمت ہے
اس کے ہونٹوں کے لئے سچ
ایک زیور ہے شجاعت
اس کے دل کو چاہئے گہرا سکوں
مذہبی پند و نصائح اس کے کانوں کے لئے
جس بڑے انسان کو یہ نعمتیں مل جائیں گی
دولتِ دنیا کی کیا حاجت اسے؟

☆☆

۷۳

اپنے پھن پر ساری دھرتی کو
اٹھائے شیش ناگ
خود کھڑا ہے پشت پر کچھوے کی جو
اور سمندر اپنی گہرائی میں کچھوے کا محافظ ہے
بڑے لوگوں کے اعلیٰ کارنامے
نہیں پابند ہیں وہ سرحدوں میں دنیا کی

☆☆

۷۴

گردشِ ایّام میں الجھا ہوا ہر شخص
جو کہ مر جاتا ہے، دوبارہ جنم لیتا ہے
ہاں مگر اس کا وہ دوبارہ جنم، سچّا جنم ہے
جو کہ اس کی نسل کی عظمت بڑھا دے

☆☆

۷۵

ایک کمسن شیر کر دیتا ہے حملہ
ایک فیل مست پر
حوصلہ پیدائشی ہوتا ہے جرأت مند کا
عمر اور طاقت پہ اس کا کچھ نہیں ہے انحصار

☆☆

جمالیات

۷۶

چاہے بازو بند ہو
یا گلے میں چاند جیسا ہار ہو
غسل کرنا، جسم کی مالش کرانا
پھول بالوں میں لگانا، کوئی آرائش نہیں
صرف اندازِ تکلم جس میں ہو شائستگی
آدمی کی اصل زیبائش ہے یہ
ختم ہو جاتے ہیں دیگر زیورات،
باقی رہتا ہے فقط
اک یہی حسنِ تکلم
مرد کی عزت بڑھانے کے لئے

☆☆

۷۷

روشن تھی مرے ذہن میں اک شمع آگہی
جلتی رہی جو وقت کی سرکش ہواؤں میں
آنکھوں میں تیری جانے یہ کیسا طلسم ہے
وہ شمع بجھ گئی تری پلکوں کی چھاؤں میں

☆☆

۷۸

یوں تو اہلِ خرد کے ذہنوں میں
عقل و دانش کی شمع جلتی ہے
ایک عورت کی مرتعش پلکیں
روشنی اس کی ڈھانپ لیتی ہیں

☆☆

۷۹

اک حسینہ ہو گر مقابل میں
جس کی آنکھیں ہوں روشن و تاباں
حسن کا جن میں کچھ غرور بھی ہو
جس کا سینہ گداز و عریاں ہو
دل نشیں جس کے سب نقوش بھی ہوں
جس کی زلفوں کی دلفریب گھٹا
اس کے نازک بدن پہ چھائی ہو
کون ایسے میں ہوگا خوش قسمت
اپنے ہوش و خرد سنبھال سکے؟

☆☆

۸۰

اک تبسم، اک محبت، اک لگاوٹ کی ادا
تیز نظریں، دشمنی کی اک نگاہ
خوش کلامی، حاسدانہ گفتگو اور شوخیاں
اتنے حربے لے کے عورت کرتی ہے
اپنے دامِ حسن میں سب کو اسیر

☆☆

۸۱

اس کے ہاتھوں میں چوڑیوں کی کھنک
اس کے پٹکے کی دل رُبا آواز
اس کی پازیب کی وہ جھنکاریں
کوک سے کوئلوں کی نازک تر
سہمی سہمی غزالی آنکھوں سے
اک حسینہ شکار کرتی ہے

☆☆

۸۲

بے تکلف یہ بات کہتا ہوں
اور یہ مانی ہوئی حقیقت ہے
بھاری کولہوں کی ایک دوشیزہ
کس قدر دلفریب ہوتی ہے
ساتھ ہی ساتھ جان لیوا بھی

☆☆

۸۳

ایک عورت کے ناز اور انداز
فطرتاً دلفریب ہوتے ہیں
ہاں مگر یہ بھی اک حقیقت ہے
احمقوں کا ہی دل لبھاتے ہیں
جیسے پانی میں اک حسین کنول
حسنِ فطرت کا اک نمونہ ہے
شہد کی مکھیاں وہاں جا کر
خود کو اکثر فریب دیتی ہیں

☆☆

۸۴

نفسانی خواہشات کی لذت ہے عارضی
انجام جس کا ہوتا ہے کچھ اور تلخ و تند
سب کی نظر میں قابل نفریں یہ چیز ہے
کہتے ہیں لوگ یہ تو گناہِ عظیم ہے
تاہم جو لوگ پاک نظر پاکباز ہیں
ثابت قدم نہ رہ سکے سیلابِ نفس میں
کیا جانیے وہ کون سا جذبہ ہے دوستو!
جو خون بن کے دوڑتا رہتا ہے جسم میں

☆☆

۸۵

کچھ اس میں تکلف نہ کرو بات کو سمجھو
اے اہلِ خرد فیصلہ کر کے یہ بتاؤ
ان دونوں میں کیا چیز کشش رکھتی ہے زیادہ
کہسار کی ڈھلوان کا پھیلا ہوا آنچل
یا جوشِ جوانی میں بھری کوئی حسینہ؟

☆☆

۸۶

بیکار ہے سب لاف زنی، کھوکھلے الفاظ
اک مرد کی تسکین کو دو چیزیں ہیں کافی
نوخیز سی دوشیزہ کا ابھرا ہوا سینہ
یا جامِ مے ناب سے بہکے ہوئے جذبات
یا دامنِ صحرا..........................

☆☆

۸۷

یہ زندہ حقیقت ہے کہ انساں کا تموّل
جذباتِ جوانی کا بدل ہو نہیں سکتا
ہیں وصل کے لمحات بھی پُر لطف کہ جبتک
محبوب کے سینے پہ جوانی کے ثمر ہوں
صحبت کا مزا تب ہے کہ بے رحم بڑھاپا
محبوب کی رعنائی کو برباد نہ کردے

☆☆

۸۸

آسماں تاریک ہے بادلوں کے جھرمٹ میں
سامنے پہاڑی پر مور بھی تو رقصاں ہیں
اس زمیں کے سینے پر
رنگ برنگی کلیاں ہیں
کہاں نظریں جمائے اب
کوئی مہجور و دیوانہ؟

☆☆

۸۹

دنیائے بے ثبات کی دوروزہ زندگی
اہلِ خرد گزارتے آئے ہیں اس طرح
اکثر وہ اہلِ علم کی صحبت میں رہتے ہیں
اور اس کے بعد ہوتی ہیں پھر مرکزِ نگاہ
نازک حسین عورتیں جن کی جوانیاں
جن کے گداز کولھوں کا خم
اور جواں چھاتیوں کا لوچ
اک منبع نشاط ہے مردوں کے واسطے
جن کی گداز بانہوں میں خوابیدہ مستیاں
اک بار جاگ جاتی ہیں بوس و کنار سے

☆☆

۹۰

عاشق ہے دلِ زندہ ابرو کی کمانوں پر
شرمیلی اداؤں پر اور شوخ نگاہوں پر
اک شوخ حسینہ کے بدمست اشاروں پر
اس چہرۂ یکتا پر اور تیز نگاہوں پر
بدمست حسینائیں، جذبات جگاتی ہیں
قابو میں نہیں رہتا میرا دل دیوانہ
ہر سو نظر آتے ہیں پھولوں کے حسیں چہرے
جو پیار کی مستی میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں

☆☆

۹۱

چاند جیسا حسین چہرہ ہے
اس کی آنکھیں کنول کو شرمائیں
لمعۂ زر بدن کی رنگینی
زلفِ عنبر گھٹا کو شرمادے
جان لیوا اُبھار سینے کا
بھاری کولھوں کی بات کیا کہیے
نرم لہجے میں اس کے جادو ہے
حسنِ محبوب، حسنِ فطرت ہے

☆☆

۹۲

زہر و آبِ حیات کچھ بھی نہیں
عشق میں دل ربا حسینوں کے
دونوں چیزوں کا لطف آتا ہے
ملتفت ہوں تو جیسے آبِ حیات
روٹھ جائیں تو زہر بن جائیں

☆☆

۹۳

نیچی نظریں، رقصاں ابرو
میٹھی باتیں، شوخ تبسم
چال میں جیسے مستانہ پن
عورت کے سنگھار یہی ہیں
اور اس کے ہتھیار یہی ہیں

☆☆

۹۴

ہنستا ہوا چہرہ ہوتا ہے
معصوم نگاہوں میں جادو
اندازِ تکلم کا اس کے
کچھ اور ہی عالم ہوتا ہے
رفتار کا عالم کیا کہیے
جیسے کوئی پودا جھک جائے
بدمست غزالی آنکھوں میں
کیا سحر طرازی ہوتی ہے
نوخیز حسینہ پر جس دم
بھرپور جوانی آتی ہے

☆☆

۹۵

یہ طلسم، مشتبہ رسوائی کا کس نے بنوایا؟
شہرِ گستاخی و بیبا کی؟
خطا اور جرم کی یہ کان،
دھوکے کی زمیں یہ کس نے بنوائی
کس نے بویا ہے تصنع کا یہ کھیت؟
کس نے کھولا ہے درِ جنت پہ میخانہ
غارِ دوزخ کا یہ دروازہ؟
سحر و افسوں کا پلندہ کس نے باندھا ہے؟
کس نے ڈالا جال نسوانی اداؤں کا؟
شکل میں تریاق کی جو زہر ہے
اور مردوں کے لئے اک ہتھکڑی

☆☆

۹۶

کتنا ہی پاکباز کوئی شخص کیوں نہ ہو
دانا ہو، عقل مند ہو اور باحیا بھی ہو
لیکن وہ اتفاق سے گر پھنس گیا کہیں
کافر ادا حسینہ کی نظروں کے جال میں
ممکن نہیں کہ ایسے میں وہ باصفا رہے

☆☆

۹۷

نازک بدن حسینہ کے چہرے کا وہ کنول
تابانیوں میں چودھویں شب کا وہ چاند ہے
ہونٹوں پہ انگبیں کی حلاوت لئے ہوئے
جو آج اک انار ہے گویا لذیذ و ترش
کچھ دن کے بعد وقت کی گردش کے ساتھ ساتھ
آ جائیگا وہ زہرِ ہلاہل کی شکل میں

☆☆

٩٨

اہلِ دانش کس طرح سے ہونے دیتے
اپنی ذہنی طاقتوں کا یوں زیاں؟
ایک ظالم بادشاہ کے محل کے در پہ وہ
کس طرح دیتے بھلا وہ دادِ عیش؟
گر مقابل میں حسینائیں نہ ہوتیں
خوبصورت آنکھوں والی، جوں کنول
ماہِ نو کی شکل جیسی پر کشش
ابھرے سینوں والی دوشیزائیں جو
گھنگھرو باندھے رقص کرتی ہیں کمر میں

☆☆

٩٩

صندل میں نہائی ہوئی نوخیز حسینہ
ہرنی کی طرح شوخ چمکتی ہوئی آنکھیں
کہسار کے دامن میں کوئی وادیٔ اشجار
اور چاندنی راتوں کا وہ ماحول خرد سوز
وہ پھول چنبیلی کے، وہ بدمست ہوائیں
کافی ہیں کہ انسان کو دیوانہ بنا دیں

☆☆

۱۰۰

خوشبو سے لدی مست و طرب خیز ہوائیں
شاخوں پہ چٹکتی ہوئی نازک سی وہ کونپل
جذبات میں بہکا ہوا کوئل کا وہ جوڑا
کرتے ہوئے باہم دگر اظہارِ تمنا
اک شوخ سی دوشیزہ کا وہ چاند سا چہرہ
ماتھے پہ لئے وصل کی لذت کا پسینہ......
یہ نعمت و لذت ہے تموّل کی بدولت
لیکن اسے تحریک بھی ملتی ہے کہیں سے

☆☆

۱۰۱

جو عابد و زاہد ہیں، خردمند و مہذّب
جو نعمتِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے
لے جاتی ہیں بہکا کے انہیں سوئے جہنم
اک شوخ ادا مست حسینہ کی نگاہیں

☆☆

۱۰۲

ڈوبا ہوا اک حسن کے دریا میں سراپا
سینہ ہے کہ دو ہنسوں کا اڑتا ہوا جوڑا
چہرہ ہے کہ ہنستا ہوا شاداب کنول ہے
دنیا کے زر و مال سبھی ہیچ ہیں سارے
جب تک کسی عورت کی محبت نہ ہو دل میں

☆☆

۱۰۳

نغمے کی لے فضاؤں میں گونجی ہوئی سی ہو
اور اس کے ساتھ ایک بتِ نازنیں بھی ہو
بکھری ہوئی شمیم ہو، جامِ شراب ہو
اور اس کے ساتھ اس کی جواں چھاتیوں کا لمس
کھو جاتا ہوں کچھ اس طرح جذبات کی رو میں
کیا چیز حقیقت ہے سمجھ میں نہیں آتا
ہونٹوں سے نکلتا ہی نہیں حرفِ تمنا

☆☆

۱۰۴

یہ دنیا راستہ ہے دوسری دنیا میں جانے کا
یہ دنیا بے وفا ہرگز نہیں ہوتی
یہاں گر ہر قدم، ہر موڑ پر، مدہوش کن
آنکھیں حسینوں کی
ہمارا راستہ روکے نہیں رہتیں

☆☆

۱۰۵

عورت کا جسم کیا ہے اک دشتِ آرزو ہے
کتنے ہی لوگ اس میں جا کر بھٹک گئے ہیں
سینہ بھی اس کا گویا کہسار کی ہے وادی
شہوانیت کا ڈاکو جس میں چھپا ہوا ہے

☆☆

۱۰۶

جذبات کے گلشن پہ برستا ہوا بادل
یا پیار کے صحرا پہ وہ ارمانوں کی بارش
یا عشق کے اوتار کی اک بیش بہا شکل
دانش کے دُرِّ ناب لئے ایک سمندر
اک چاند جو عورت کی نگاہوں سے ہے مخمور
یا دولتِ نایاب کا بھرپور خزانہ
سب کچھ ہے وہی ہم جیسے کہتے ہیں جوانی
قسمت کے دھنی ہوتے ہیں دنیا میں بہت کم
اس راہ کے الجھاؤ سے بچ کر جو نکل جائیں

☆☆

۱۰۷

یہ جوانی مسکنِ جذباتِ عشق
درد کے کتنے جہنم اس میں ہیں
یہ غلط فہمی کے پھل کا بیج ہے
ماہتابِ علم پر چھایا ہوا بادل ہے یہ
نفس کا سچا رفیق،
معصیت کا دوست ہے
مرد کا دورِ شباب
ساری دنیا میں کوئی جنگل نہیں
جس میں گلہائے معاصی کا شمار
اس چمن زارِ جوانی سے زیادہ ہو

☆☆

۱۰۸

دنیا میں بہترین نظارہ ہے کون سا؟
کافرادا حسینہ کا چہرہ، غزال چشم
جو پیار کے سرور میں ڈوبا ہوا سا ہو
اس کے دہن کی مشک سی خوشبو ہے بہترین!
اور اس کی بات چیت سے بہتر صدا نہیں!
ہونٹوں کی پتیوں میں وہ امرت کا ذائقہ
اور اس کا جسم نور کا اک تار و پود ہے
عاشق کے واسطے ہے یہی حاصلِ حیات
محبوب سامنے ہو، جوانی کا جوش ہو
دیکھے نگاہِ لطف سے، شرما کے سمٹ جائے

☆☆

۱۰۹

یقیناً چاند محبوبہ کے چہرے پر نہیں ہوتا
اور اس کی مست آنکھوں میں ستارے بھی
نہیں ہوتے
اور اس کا جسم سونے کا حقیقت میں نہیں ہوتا
لیکن شاعروں کے استعاروں سے معاذ اللہ
کئی عاقل، کئی عالم، فریب آگہی کھا کر
پرستش کرتے آئے ہیں،
بدن کی صنفِ نازک کی
حقیقت میں جو پیکر
لحم و شحم و استخواں کا ہے

☆☆

۱۱۰

حسن کے بازار کی یہ عورتیں
پیش کر دیتی ہیں اپنا جسم
ہر کسی کو چند سکوں کے لئے
چاہے وہ اندھا ہو یا
بد شکل یا نامرد اور کمزور ہو
کوئی دہقانی، جذامی، کم نسب
یا کوئی ہو
ورنہ ایسی فاحشاؤں کو بھلا چاہے گا کون؟
فہم اور ادراک کی دشمن ہیں یہ

☆☆

۱۱۱

اک طوائف شعلۂ جوالۂ جذبات ہے
حسن کی رنگینی وحدّت سے بھڑکا یا ہوا
آگ ہے اس آگ پر
قربان کرنے کے لئے
آدمی لاتا ہے دولت اور جوانی اپنے ساتھ

☆☆

۱۱۲

محبوب کی فرقت میں بہاروں کی فضائیں
یامشک میں ڈوبی ہوئی جنگل کی ہوائیں
یانغمۂ بلبل ہو۔ ہراک چیز ہے قاتل
امرت بھی برے وقت میں ہے زہرِ ہلاہل

☆☆

۱۱۳

ہم پرستش کرتے ہیں
نفس کے اس دیوتا کی
ایک بحری اژدہا جس کانشان
شیو، برہما اور وشنو دیوتا کو، کام دیو
یوں بناتا ہے اندھیری خلوتوں میں
ان حسینوں کا غلام
اس کی اس عیّار فطرت کا بیاں ممکن نہیں

☆☆

۱۱۴

ایک مُہر کامیابی ہے یہ عورت
دیوتائے نفس کی
جس نے اس کی کامیابی نقش کر رکھی ہے
ہر اک چیز پر
عورتوں سے دور رہنے والے یہ بر خود غلط
افراد بھی
جستجو میں ہیں خیالی جنت الفردوس کی
بن گئے ہیں بد دعا سے
دیوتائے نفس کے دریوزہ گر
الجھے الجھے یا تراشے بال،
سر پہ ہیں بکھرے ہوئے
کاسئہ سر کا پیالہ ہاتھ میں

☆☆

۱۱۵

پیار کا دیوتا کھلاڑی ہے
بحرِ ہستی کی شوخ لہروں پر
پھینک دیتا ہے جال عورت کا
مردِ نادان، مچھلیوں کی طرح
سرخ ہونٹوں کے جال میں فوراً
آ کے پھنستا ہے اور بھُنتا ہے
سیخ پر آتش محبت کی

☆☆

۱۱۶

کوئی عورت آتشِ شہوت میں ہو
جلتی ہوئی
سامنے آنے سے اس کے
خوف کھاتے ہیں یہ برہمائے عظیم

☆☆

۱۱۷

اک چنبیلی کا پھول بالوں میں
اس کے چہرے کا خواب گوں جلوہ
اور اس کا وہ پیکرِ نازک
غرق ہے زعفران و صندل میں
اس کے سینے کی وہ کشش، توبہ!
سب ملا کر وہ ایک جنت ہے
عالمِ آب و گل کے سینے پر

☆☆

۱۱۸

وہ زعفران میں جس دم نہا کے آ جائے
اور ایک ہار ہو سینے پہ اس کے آویزاں
اور اس کے پاؤں میں پازیب بھی چھنکتی ہو
تو اس کے سحر سے پھر کون بچ کے جائے گا

☆☆

۱۱۹

اصل میں شاعروں کی غلطی ہے
''صنفِ نازک'' جو اُن کو کہتے ہیں
عورتوں کی نگاہِ قاتل نے
کیسے کیسے جوان مارے ہیں
ان کو نازک کہیں تو کیسے کہیں؟

☆☆

✺

۱۲۰

اک حسینہ کا جواں سینہ، چشمِ روشن
اور سحر انگیز مژگاں
غنچہ ہائے لب مجھے مسحور کر دیں
یہ تو ممکن ہے
ہاں مگر اس کے شکم پر
نرم و نازک رونگٹوں کی وہ قطار
دیوتائے نفس نے کھینچا ہے جس کو
اک قلم سے پھول کے
بن گئی کیوں حسن کی نازک علامت لازوال
جو اذیّت ناک ہے میرے لئے

☆☆

✺

۱۲۱

شیخ صاحب کو آج دنیا میں
ان حسینوں سے سخت نفرت ہے
ان کو جنت ملے گی عقبیٰ میں
واں بھی حوریں ضرور ہی ہوں گی!

☆☆

۱۲۲

ایک نازک بدن حسینہ تھی
لے کے ہاتھوں میں ریشمی چادر
ایک جنگل میں تھی وہ محوِ خرام
چاند کی چاندنی سے بچتی ہوئی
ڈھونڈتی تھی وہ پیڑ کا سایہ

☆☆

۱۲۳

جب وہ نظروں سے دور ہوتی ہے
ہم کو ہوتی ہے دید کی چاہت
اور جب اس کو دیکھ لیتے ہیں
چاہتے ہیں گلے سے چمٹا لیں
اور جب وہ نگارِ آہو چشم
اپنی آغوشِ شوق میں آ جائے
تب ہمارے بدن یہ کہتے ہیں
دونوں مل جائیں، ایک ہو جائیں

☆☆

۱۲۴

جب وہ ہوتی ہے آ کے ہم آغوش
عنبریں زلف اپنی بکھرائے
اس کی بدمست ونیم وا آنکھیں
لذتِ وصل سے تپاں رخسار
اس کے ہونٹوں میں شہد ہوتا ہے
اہل دل مرد جس کو پیتا ہے

☆☆

۱۲۵

ابتدا میں وصل سے انکار کر دیتی ہے وہ
ہو کے ہم آغوش
پھر جذبات اس کے جاگتے ہیں
دھیرے دھیرے جسم ڈھیلا ہو کے
گر جاتا ہے بانہوں میں
اور وہ بیتاب ہو جاتی ہے پھر
جنسی تلاطم کے لئے
تنگ ہو جاتا ہے اس کے بازوؤں کا دائرہ
درحقیقت لذّتِ جنسی
مسرت کا ہے سرچشمہ

☆☆

۱۲۶

جب تک عورت قریب رہتی ہے
گویا آبِ حیات ہوتی ہے
جب وہ نظروں سے دور ہو جائے
زہرِ قاتل سے بھی وہ بدتر ہے

☆☆

۱۲۷

سحر و افسوں نہیں علاج اس کا
اور دوائیں بھی اس میں ہیں بیکار
کام آتی نہیں دعائیں بھی
روکنے کے لئے اسے ہرگز
آدمی کے بدن میں لہرا کر
یوں ابھرتا ہے جذبۂ شہوت
جیسے مرگی کا دورہ پڑ جائے
نظمِ جذبات ہی بکھر جائے

☆☆

۱۲۸

پیار کا دیوتا بھی ہوتا ہے
اک حسینہ کا زرخرید غلام
ایسے لوگوں کو ڈھونڈتا ہے وہ
اس کی نظروں نے جن کو مارا ہے

☆☆

۱۲۹

نامناسب ہے پیر مردوں کو
شہوتوں کا غلام ہو جانا
اور جو عورتیں معمر ہیں
ان کے حق میں بھی یہ نہیں زیبا
ان کے سینوں میں وہ گداز کہاں؟
ہے جو بوس و کنار کی لذّت

☆☆

۱۳۰

اس کی آنکھوں نے مجھ کو مارا ہے
اس سے بہتر یہ تھا کہ کاش مجھے
ایک مارِ سیاہ ڈس لیتا
سانپ گر آدمی کو ڈستا ہے
اس کے لاکھوں علاج ملتے ہیں
ہاں مگر اک حسین دوشیزہ
اپنی بدمست و شوخ آنکھوں سے
آدمی کو اگر کرے گھائل
اس کا دنیا میں کچھ علاج نہیں

☆☆

۱۳۱

شمعِ روشن ہو یا کہ آتش دان
چاند سورج ہوں یا ستارے ہوں
اس کی آنکھوں کی روشنی کے بغیر
میری دنیا میں بس اندھیرا ہے

☆☆

۱۳۲

اس کا چہرہ سفید ہیرا ہے
اس کی زلفیں ہیں جیسے فیروزہ
ہاتھ دونوں ہیں اس کے یاقوتی
جسم اس کا جواہرات کا ہے

☆☆

۱۳۳

اس کے سینے پہ مشتری رقصاں
اس کا چہرہ ہے چاند کی مانند
پائے نازک میں زحل کی رفتار
اس کا پیکر ہے ایک سیارہ

☆☆

۱۳۴

اے بتِ نازک ادا! یہ کارنامہ ہے تیرا
تیرے ابرو کی کمانوں میں نہیں چلتے ہیں تیر
بلکہ تو کرتی ہے اپنے چاہنے والوں کا دل
حسن کی رنگینیوں، نازک اداؤں سے اسیر

☆☆

۱۳۵

اک سفیدی پھرا ہوا گھر ہو
چاند کی روشن شعائیں
اک حسینہ کی سحر انگیز نظریں
اور خوشبودار صندل
حسین پھولوں کے خوش نما گجرے
ساری چیزیں مضطرب سی کرتی ہیں
ایک شہوت پرست انسان کو
ہاں مگر جن کو
نفرت ہے تعیّش سے
واسطے ان کے یہ سب بیکار ہے

☆☆

۱۳۶

یا تو گنگا کے کنارے پر رہو
جس کے پانی میں گنہ دھل جائیں گے
یا کسی کافر ادا کی چھاتیوں کے درمیاں
ذہن کو مسحور کر دیتا ہے
جس کی گردن کا وہ ہار

☆☆

۱۳۷

اس کے سینے اور کولہوں کا ابھار
اس کے چہرے کا وہ تابندہ نکھار
اے مرے قلبِ پریشاں، کس قدر سادہ ہے تو
تجھ کو اس کے حسن کی رنگینیوں سے کیا غرض
تجھ کو خواہش ہے تو پہلے خود کو اس قابل بنا
خواہشیں پوری نہیں ہوتیں کبھی نا اہل کی

☆☆

۱۳۸

بادلوں میں وہ چمکتی بجلیاں
اور صنوبر کے درختوں کی مہک
آسماں پر بادلوں کی گھن گرج
جوشِ مستی میں وہ موروں کی پکار
ایسے عالم میں کوئی مستِ شباب
کیسے جی لے گا فراقِ یار میں

☆☆

۱۳۹

غمِ فرقت کا مارا کوئی عاشق
اپنی محبوبہ سے ہم آغوش ہو
گونجتی ہو اس کے کانوں میں
کسی کوئل کی کوک
نونہالانِ چمن کے کنج میں
چاند کی آوارہ کرنوں کے تلے
شاعرانِ خوش نوا سے گفتگو کرتے ہوئے
مسحور ہو جائے گا دل، ہر شخص کا
فصلِ گل کے رنگ میں کھو جائیگا

☆☆

۱۴۰

تری گوندھی ہوئی زلفیں مقیّد ہیں
حدودِ ارض سے آگے تلک،
آنکھیں تیری پھیلی ہیں کانوں تلک
شریفوں کی طرح دوبارہ پیدا ہونے والے
دانت کیا شفاف ہیں
سر کی مانند ہاتھیوں کے
ابھرا ہوا سینہ ترا
ہے صدف سے تازہ نکلے موتیوں کی جلوہ گاہ
لیکن اے نازک حسینہ
گو سکوں پیکر ہے یہ تیرا بدن
یہ مرے جذبات کر دیتا ہے برانگیختہ

☆☆

۱۴۱

آسماں بادلوں سے ڈھک جائے
اور زمیں لالہ زار ہو جائے
مشک وعنبر کی خوشبوؤں سے ہوا
ہر طرف عطر بیز ہو جائے
جنگلوں میں صدائیں موروں کی
چار سو گونجتی سنائی دیں
ایسے عالم میں سارے لوگوں کا
چھوٹ جاتا ہے دامنِ جذبات

☆☆

۱۴۲

سامنے جب کوئی حسینہ ہو
اور ہوائیں بھی نشہ آور ہوں
ہر طرف بادلوں کی یورش ہو
اور جھڑی لگ گئی ہو بارش کی
ایسے موسم میں نوجوانوں کے
سوئے جذبات جاگ جاتے ہیں

☆☆

۱۴۳

سچ اگر پوچھئے تو بارش میں
وصلِ جاناں کا لطف آتا ہے
بند کمرے میں دونوں ہم آغوش!
سخت سردی میں گر کوئی عاشق
اک حسینہ سے اختلاط میں ہو
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آ آ کر
لذتِ وصل کو بڑھاتی ہیں
اور تھکن کو سکون ملتا ہے
اک حسینہ کی شوخ بانہوں میں
رات گزرے تو دن کی کیا پروا

☆☆

۱۴۴

وصل کے بے کراں تلذذ میں
رات آدھی اگر گزر جائے
ایک پھولوں کے کنج میں تنہا
مرد کی پیاس اور بڑھتی ہے
اس کو ایسے میں چاہئے ملنا
اک حسینہ کے دستِ نازک سے
جام لبریز ارغوانی کے
جو اسے پیار سے پلاتی جائے
ایسے پینے سے جو کرے انکار
وہ بڑا بدنصیب ہے گویا

☆☆

۱۴۵

گھی، دہی کھائیں اور دودھ پئیں
سرخ مخمل کا ہو لباس ان کا
روغنِ زعفران کو مل کر
اپنے جسموں کو روز گرم کریں
اور اک دل ربا حسینہ کو
(جس کے ہونٹوں پہ پان کی سرخی)
اپنے آغوش میں دبائے ہوئے
عیش و مستی کے ساتھ لیٹے ہوں
کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ

☆☆

۱۴۶

اپنے جُوڑے کو باندھتے جانا
اپنی آنکھوں کو بند کر لینا
مارے سردی کے اپنی چادر کو
کھینچنا اور لپیٹتے جانا
نقش چہرے کے بھی بگڑ جانا
کاٹنا بار بار ہونٹوں کو
اور پھر گرم سسکیاں لے کر
کرنا اظہار اپنی الفت کا
سرد جھونکے ہوائے سرما کے
جب حسینوں کو پیار کرتے ہیں

☆☆

۱۴۷

گر عبادت سے اور ریاضت سے
پالیا ایک مردِ زاہد نے
اپنے جذباتِ نفس پر قابو
پاک جذبوں کی روشنی سے اگر
ذہن اور قلب ہوگیا معمور
پھر بھلا اس کو واسطہ کیا ہے
ان حسینوں کی شوخ باتوں سے
قندلب اور حسین چہروں سے
سسکیوں اور گرم جذبوں سے
اور لپٹنا جوان جسموں سے

☆☆

۱۴۸

ہیں جو دنیا میں عالم و فاضل
بات کرنا بھی جن کو آتا ہے
ترکِ دنیا کی بات کرتے ہیں
ورنہ مردوں میں کون ایسا ہے؟
جو حسینوں سے کر سکے اغماض
جن کے کولہے حسین ہوتے ہیں
اور زیور کمر میں ہیروں کا

☆☆

رہبانیات

۱۴۹

اس تمنا میں کہ مل جائے فلاحِ عقبیٰ
دشت و صحرا میں بہت بادیہ پیمائی کی
اپنی خودداری کو اور فخرِ نسب کو چھوڑا
مدّتوں عمر غلامانہ بسر کی میں نے
زاغ آوارہ کی مانند بھٹکتا بھی پھرا
لقمۂ غیر بھی کھاتا رہا بے شرمی سے
اس طرح حرص و طمع اور فزوں ہوتی گئی
چین سے بیٹھنے دیتی نہیں مجھ کو اب بھی

☆☆

۱۵۰

ارض پیمائی بھی کی میں نے دفینوں کے لئے
شوقِ اکسیر میں پگھلایا مسِ خام کو بھی
بحرِ ظلمات کی گہرائیاں ناپیں اکثر
بادشاہوں کی خوشامد بھی بہت کی میں نے
میں نے ارواحِ خبیثہ کو بھی تسخیر کیا
بارہا گورِ غریباں میں گزاریں راتیں
پھر بھی لیکن مجھے پھوٹی ہوئی کوڑی نہ ملی
اب تو بد بخت ہوس! چھوڑ دے پیچھا مرا

☆☆

۱۵۱

میں غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لئے
ان کی طعن آمیز باتیں سنتی ہوں
اشک پی لیتی ہوں اپنے
جو میرے دل کی ہنسی معلوم ہوتے ہیں
اور دولت کے نشے میں چور
اپنے دشمنوں کو بھی
یوں ہی کر لیتی ہوں مصنوعی سلام
میں سمجھتی ہوں کہ تم نامرد ہو
کس طرح مجبور کرتے ہو مجھے
تم رقص کرنے کے لئے

☆☆

۱۵۲

گردشِ ایام کا یہ جاودانی سلسلہ
دیکھتا ہے عالمِ فانی کی بربادی کا حال
پھر بھی یہ احساس دنیادار انساں کو نہیں
وقت کتنی برق رفتاری سے اڑتا جائے ہے
ابتلائے زندگی، پیرانہ سالی اور موت
بے حسی کے ساتھ سب کچھ دیکھتا رہتا ہے یہ
اس غلط فہمی کے نشے میں یہ دنیا، ہائے ہائے!
اپنی غفلت اور نادانی میں ہے کھوئی ہوئی

☆☆

۱۵۳

صرف اپنے ایک بھو کے پیٹ کی خاطر بھلا
ایک غیرت مند انساں
کس طرح مانگے گا بھیک
جب کہ اس کو خوف یہ ہے،
لوگ دیں گے جھڑکیاں
کس طرح سوکھے ہوئے
ہونٹوں سے نکلے گی یہ بات
''میں ہوں بھوکا، مجھ کو کچھ
دے دو خدا کے نام پر!''
اہل ثروت کو یہ کیا معلوم، غربت کا شکار
اس کی اک بیوی ہے
اور معصوم سے بچے بھی ہیں
جو کہ بھوکی ماں کا دامن کھینچتے ہیں بار بار
اور روٹی مانگتے ہیں اور ماں مجبور ہے

☆☆

۱۵۴

مٹ گیا ذوقِ مسرّت اور خوشی
اب تو جینے کی تمنا بھی نہیں
زندگی کے سارے ساتھی اور عزیز
ہو چکے ہیں راہیِ ملکِ بقا
چاہیے اب چلنے پھرنے کو عصا
اب تو آنکھوں پر اندھیرا چھا گیا
حیف اب تو منحنی سا یہ بدن
موت کا جھٹکا بھی کیا سہہ پائے گا؟

☆☆

۱۵۵

میں یہ دنیاوی علائق قطع کرنے کے لئے
کر نہ پایا دیوتا شیو کی قدم بوسی بھی تصور میں
میں اپنی غفلت سے سچائی کا بھی رستہ
چھوڑ بیٹھا ہوں
درِ جنت پہ لے جاتا ہے جو انسان کو
اور نہ ہو پایا حسینوں کی جوانی سے
بھی لطف اندوز میں
زندگی اپنی گزاری اک کلہاڑی کی طرح
جس سے میں نے کاٹ پھینکا،
اپنے اس باغِ جوانی کو
جس کو میری ماں نے کتنی
جانفشانی سے اگایا تھا

☆☆

۱۵۶

جھرّیاں پڑ گئی ہیں چہرے پر
سر کے بالوں میں بھی سفیدی ہے
سارے اعضاء بھی ناتواں سے ہیں
پھر بھی جینے کا حوصلہ ہے جواں

☆☆

۱۵۷

جنس کی خواہشات اور لذّت
آخرش سرد پڑتی جاتی ہیں
کیا یہ پرہیز اتنا مشکل ہے؟
آدمی خود نہ ان کو چھوڑ سکے
خواہشیں آدمی کی سرد ہوں جب
کس قدر کرب دے کے جاتی ہیں
آدمی ان کو خود اگر چھوڑے
اس کو ملتا ہے لازوال سکون

☆☆

۱۵۸

گرچہ روزی گداگری ہے مری
دن میں صرف ایک بار کھاتا ہوں
بس یہ دھرتی میرا بچھونا ہے
ہوں خود اپنا ہی آپ خدمت گار
گرچہ میرا لباس بوسیدہ
چیتھڑوں کے لگے ہوئے پیوند
پھر بھی میرے حواس کی لذت
چھوڑتی ہی نہیں مرا پیچھا!

☆☆

۱۵۹

ایک عورت کی چھاتیاں، توبہ!
گوشت کا اک اُبھار ہوتی ہیں
ان کو دیتے ہیں بارہا تشبیہہ
خوبصورت طلائی پیالوں سے
اس کا چہرہ جو ایک منبع ہے
کف کا اور بلغمی غلاظت کا
اور اسے ماہتاب کہتے ہیں
اس کی پیشاب سے بھری رانیں
ساقِ مرمر بتائی جاتی ہیں
صنفِ نازک کے گندے پیکر کو
شاعروں نے بنا دیا کیا کیا؟

☆☆

۱۶۰

جب شمع کی لو پر گرتا ہے
پروانہ سمجھ پاتا ہی نہیں
وہ پھونک کے اس کو رکھ دے گا
مچھلی جو نگلتی ہے کانٹا
کیا ہے وہ؟ اسے معلوم نہیں
انسان فہیم و دانا ہے
ہر بات سمجھتا ہے، لیکن
جذبات کے ریلے میں بہہ کر
طوفانِ حوادث سے اکثر
خود آپ ہی جا ٹکراتا ہے
انسانوں کی یہ نادانی
انساں کی سمجھ سے باہر ہے

☆☆

۱۶۱

یوں تو جنگل کے پھل میں کھاتا ہوں
آبِ کہسار ہی میں پیتا ہوں
اور ننگی زمیں پہ سوتا ہوں
چھال پیڑوں کی پہن لیتا ہوں
متفق پھر بھی ہو نہیں سکتا
ایسے لوگوں کی بے حیائی سے
جن کے احساس پر مسلط ہے
نشہ ناپائیدار دولت کا

☆☆

۱۶۲

ایک مدت ہوئی کہ جب دنیا
آدمیوں سے کی گئی آباد
اہلِ دل تھے، وہ ظرف والے تھے
ان میں کچھ نے یہاں نباہ کیا
اور کچھ لوگ ان میں ایسے تھے
جو زمینوں پہ ہو گئے قابض
اور بے اصل جان کر ان کو
دست بردار ہو گئے ان سے
بعض ایسے بھی اہلِ ہمت ہیں
آج بھی حکمراں ہیں دنیا میں
پھر یہ چھوٹی جگہوں کے اہلِ رسوخ
ان کا فخر و غرور کیا معنی؟

☆☆

۱۶۳

آپ تو ہیں بادشاہ
محترم استاد کی خدمت میں مجھ کو
لطف آتا ہے
آپ ہیں بدنام اپنے زور و طاقت کے لئے
ساری دنیا میں مری شہرت کو
پھیلا دِیا ہے شعراء نے
ارے مغرور شہزادے!
کچھ زیادہ تو نہیں ہے یہ
فرق ہمارے جو درمیان میں ہے
میری جانب سے گر رخ پھیر لے تو
تجھ سے بھی لاتعلق ہو نہ جاؤں میں

☆☆

۱۶۴

جب کہ سارے حکمرانِ جنگجو،
کرتے رہتے ہیں زمینوں کو تباہ و منقسم
ایک راجہ کی مہم جوئی میں پھر کیا شان ہے
لیکن احمق ہیں زمیندارانِ دیہی
ملکیت ہے جن کی تھوڑی سی زمیں
فخر کرنے کے بجائے
ان کو تو مغموم ہونا چاہئے

☆☆

✳

۱٦۵

ہم ہیں دانش مند،
بدکردار عورت تو نہیں
ہم کوئی رقاص و موسیقار بھی ہرگز نہیں
نازنینانِ حرم میں بھی نہیں شامل ہیں ہم
بادشاہ کے محل میں ہے
پھر ہمارا کیا مقام

☆☆

✳

۱٦٦

آپ ہیں بادشاہِ عالی قدر
اور میں، ساحر ہوں لفظ و معنی کا
آپ اک جنگ جو بہادر ہیں
اور میں، ماہرِ خطابت ہوں
تمکنت کو جو توڑ دیتی ہے
لوگ دولت کے جو پجاری ہیں
آپ کے ہو گئے ہیں حلقہ بگوش
پھر بھی وہ میری بات سنتے ہیں
تاکہ ذہنوں کو اپنے صاف کریں
آپ کرتے نہیں میری عزت
اور میں اس سے بھی کم ہی کرتا ہوں
اے میرے بادشاہِ عالی قدر!
میں چلا، آج آخری رخصت!

☆☆

۱۶۷

اے دلِ ناداں!
وقت ضائع کر رہے ہو کیوں؟
حسنِ کرم کی جستجو میں غیر کی
کرب کی جھاڑی میں گھس جاتے ہو کیوں؟
گر تمہیں خود اپنے اندر ہی سکوں مل جائے گا
گوہر مطلوب بن جائے گا پھر حسنِ خیال
شوق آزادی تمہاری خواہشوں کو
ختم کر ڈالے گا پھر

☆☆

۱۶۸

اپنی ناپائیدار ہستی کو
ہے جو صرف ایک قطرۂ شبنم
ہم نے کس کس طرح سنوارا ہے
جبکہ ہم صاحبِ ذکا بھی نہیں
اہلِ دولت کی بزمِ عشرت میں
چھایا رہتا ہے نشۂ دولت
بے حیائی کے ساتھ واں ہم نے
اپنے اوصاف خود بتائے ہیں

☆☆

۱۶۹

میرا اک دوست بادشاہ بھی تھا
جس کے تھے بے شمار درباری
اور کتنے ہی شہریار بھی تھے
کچھ حسینائیں تھیں پری چہرہ
اس کے مغرور شاہزادے تھے
چند شاعر تھے، شعر خوانی تھی
وقت کی سب پہ حکمرانی ہے
وقت کا ہی یہ کارنامہ ہے
بادشاہ اقتدار کھو بیٹھا
اس کا دربار و محفل عشرت
بن گئی ایک قصۂ ماضی
صرف یادیں ہی رہ گئیں باقی

☆☆

۱۷۰

ہمارے والدین!
ہم کو اس دنیا میں لاکر، پرورش کر کے
ایک مدت ہوگئی، دنیا سے رخصت ہو گئے
اور ہمارے دوست وہ عہدِ جوانی کے
نقش پائے طاقِ نسیاں ہو چکے
ہم بھی اب تو منتظر ہیں موت کی آواز کے
ساحلِ دریا پہ اُگنے والے پیڑوں کی طرح
دیکھتے ہیں ہم کسی سیلاب کے آنے کی راہ

☆☆

۱۷۱

اک مکان
جس میں بہت سے لوگ رہتے تھے کبھی
آج واں اک آدمی تنہا کھڑا ہے
بے شمار افراد اولادوں میں تھے
آج ان میں سے کوئی باقی نہیں
کالی دیوی اور یہ گریزاں وقت
دونوں ہی اس تباہ کاری میں معاون تھے
دونوں مل کر کھیلتے ہیں ایک کھیل
جس میں یہ دونوں ہیں پانسوں کی طرح
آدمی چلتے ہیں ان میں،
زندہ مہروں کی طرح

☆☆

۱۷۲

کیا میں دریا کے کنارے پر گزاروں
پر صعوبت زندگی؟
یا کہ اوروں کی طرح میں عورتوں سے
عشق ہی کرتا رہوں؟
یا کہ بس میں مذہبی تعلیم ہی حاصل کروں؟
زندگی کا کوئی واحد راستہ ممکن نہیں!

☆☆

۱۷۳

امیدیں آدمی کی ایک دریا ہیں
تمناؤں کا پانی جس میں بہتا ہے
ہماری آرزوئیں جس کی موجیں ہیں
مگرمچھ اس میں ہیں جذباتِ انسانی
ظن و تخمیں کی چڑیائیں کنارے پر
ہمارے فیصلوں کے پیڑ کو برباد کرتی ہیں
تفکّر، اس میں اک پرہول گھاٹی ہے
توہّم کے بھنور حائل ہیں پانی میں
کہ دریا پار کر لینا بہت دشوار ہوتا ہے
حقیقت میں انہیں کا کام اس کو پار کرنا ہے
جنہوں نے کچھ تعلق ہی نہیں رکھا ہے دنیا سے
ہے جن کا قلب پاکیزہ ہوا و حرص سے عاری

☆☆

۱۷۴

ہائے وہ دن، جو امیروں کی
خوشامد کرتے گزرے ہیں
اور وہ دن، جب مقید تھا میں دام نفس میں
اک پہاڑی غار میں پتھر کی چٹانوں پر
ختم جو ہوتا ہے سارا سلسلہ میری ریاضت کا
تو ان بیتے دنوں کو یاد کر کے میرا دل
بے تحاشا قہقہے کھُل کر لگاتا ہے

☆☆

۱۷۵

زندگی میں علم حاصل کر نہ پایا میں کبھی
اور حصولِ زر میں بھی ناکام ہوں
اور نہ دل سے کر سکا ماں باپ کی
خدمت بھی میں
ایک آہو چشم محبوبہ سے ہم آغوش بھی
ہو نہ پایا خواب میں بھی میں کبھی
زندگی میں نے گزاری ایک کوے کی طرح
جھوٹے لقمے آدمی کے ڈھونڈتا پھرتا ہے جو

☆☆

۱۷۶

گرچہ اس دنیا کی ان پُر پیچ راہوں پر
مجھے ہے تین لوگوں کی تلاش
میں نے ایسا آدمی دنیا میں دیکھا ہی نہیں
اور نہ اس کا ذکر ہی سننے میں آیا ہے کبھی
باندھ سکتا ہو جو اپنی خواہشوں کے مست ہاتھی کو
ستونِ ضبط و تحمل سے

☆☆

۱۷۷

مطمئن ہوں میں سادہ کپڑوں میں
آپ پہنے ہیں مخملیں جامہ
پھر بھی میں خوش ہوں آپ کے مانند
اونچ اور نیچ ہے فریبِ خیال
بات یہ ہے کہ ہے وہی مفلس
جس کی حرص و طمع نہیں بجھتی
ذہنِ انساں جو مطمئن ہو جائے
''منعمی''، ''مفلسی'' ہیں بے معنی!

☆☆

۱۷۸

مسرت ہوتی ہے اتنی ہی وقتی اور ہنگامی
کہ جیسے بادلوں کے شامیانے میں
کہیں بجلی چمکتی ہے
زندگی کیا ہے؟
ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا بادل
جو پانی سے بھرا لیکن بہت نازک بھی ہوتا ہے
عارضی ہوتا ہے اس دنیا میں انساں کا شباب
اہلِ دانش رکھتے ہیں اس بات کو پیشِ نظر
اور ''یوگ'' کرنے کے لئے
تلقین کرتے ہیں تمہیں
سب سے اچھا پھل ہے جو
خموشی اور ''سمادھی'' کا

☆☆

۱۷۹

پاک شہروں اور مقدس جنگلوں میں
گھومتے پھرتے ہوئے
کچھ گداگر اس جگہ پھیلاتے ہیں دستِ سوال
آسماں پر جس جگہ پھیلا دھواں
اور سادھوسنت اپنا یگیہ کرتے ہوں جہاں
یہ بھکاری بھی وہاں ''پرساد'' لینے آتے ہیں
ایک بھوکے پیٹ کو بھرنے کا
یہ جائز طریقہ ہے
ہے مبارکباد کے قابل بھکاری
جو اگر خوددار ہو
نہ کہ آوارہ طفیلی لوگ
جو کہ اپنے دوستوں کے
سامنے ہوتے ہیں خوار

☆☆

۱۸۰

اے میرے گمراہ و آوارہ ذہن!
باہر آ جا نفس امّارہ کی گہرائی سے تو
جو عذاب و ابتلا کا قید خانہ ہے
شادمانی کی طرف جانے کا سیدھا راستہ
ختم کر سکتا ہے فوراً ہر مصیبت ہر عذاب
اس لئے پُر امن فطرت کو کرو تم اختیار
چھوڑ دو آوارگی کے راستے
ختم کر دو سلسلہ جذباتِ شیطانی کا تم

☆☆

۱۸۱

جنگلی پودے اور ان کے پھول پھل
زمیں کا فرشِ خاکی اور تازہ چھال کا
سادہ لباس
ایسی چیزوں پر قناعت کیجئے، میرے عزیز!
آیئے! چلتے ہیں ہم اب دشت کی تنہائی میں
ایسے جنگل میں جہاں آتی نہ ہو
شرپسندوں کی صدائے بازگشت
دیتے رہتے ہیں جو اپنی تنگ ذہنی کا ثبوت
اور وہ نالائق امیر!
مبتلا رہتے ہیں جو افراطِ زر کے مرض میں
کرتے ہی رہتے ہیں اظہارِ حماقت برملا

☆☆

۱۸۲

اے میرے خوابو!
کرو اصلاح اپنی خامیوں کی
خوشی حاصل کرو تم دیوتا شیو کی عقیدت میں
ہمیشہ تم کرو ان کی عبادت
گنگا کے کنارے پر جو جنت کی ندی ہے
کسی دریا کی موجیں
بلبلے ہوں یا کہ بجلی کی چمک
عورتیں ہوں، یا ہوں شعلے،
سانپ ہوں، یا سیلِ آب
ساری چیزوں کا بھلا کیا اعتبار؟

☆☆

۱۸۳

اے میرے ذہن رسا!
دیکھ تیرے سامنے نغمہ سرا ہیں
شاعرانِ خوش نوا
تیرے پیچھے ہیں کنیزیں کلغیاں پہنے ہوئے
رقص کرنے میں کھنکتی جاتی ہے پازیب جن کی
تو اگر چاہے تو لطف اندوز ہو
اس ارضی مسرت سے
ورنہ تو مصروف ہو جانا
ریاضت اور عبادت میں
ہو کے تو آزاد ذہنی کشمکش سے
ڈوب جا دریائے غور و فکر میں

☆☆

۱۸۴

کیا جڑی بوٹیاں نہیں بن میں؟
کیا پہاڑوں میں آبشار نہیں؟
کیا وہ سارے درخت سوکھ گئے؟
جن سے ملتے ہیں پھل بھی کھانے کو
اور پہننے کے واسطے چھالیں
آج دنیا کا کیا وطیرہ ہے؟
ہیں پسند اس کو بس وہ بدکردار
جو کہ اپنی ذرا سی دولت پر
تمکنت اور غرور کرتے ہیں

☆☆

۱۸۵

مہرباں شیو دیوتا!
دیکھنا اس ایک واحد شخص کو
خواہشوں سے جو مبرّا اور بالکل پرسکوں
پوری کرلیتا ہے اپنی ہر ضرورت اپنے آپ
ہے لباس اس کا یہ سارا آسمان
کب میں اس قابل بنوں گا
کھود کر رکھ دوں، گناہوں کی جڑیں

☆☆

۱۸۶

تمہیں خواہش سے زیادہ
دولتِ دنیا بھی مل جائے
اگر تم اپنے سارے دشمنوں کو زیر بھی کرلو
اگر تم جیت لو دانشوروں کو اپنی دولت سے
تمہاری ہستی فانی کو استحکام مل جائے
کبھی سوچا ہے تم نے پھر
کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟

☆☆

۱۸۷

آدمی کے دل میں ہو جب
دیوتا شیو سے عقیدت
اس کو پھر ہوتا نہیں ہے
موت اور دوبارہ پیدائش کا خوف
اور رہتا ہے وہ اپنے اقربا سے لاتعلق
خواہشاتِ نفس سے آزاد رہتا ہے سدا
جب وہ رہتا ہے سماجی لعنتوں سے
دور تنہا دشت میں
پھر اسے دنیا کا کوئی غم نہیں
اس سے بہتر اور پھر کیا چاہئے انسان کو؟

☆☆

۱۸۸

اگر تم زیست کی گہرائیوں میں جھانکنا چاہو
تو داناؤں کی صحبت میں رہو، دیکھو
کہ ان کا علم کتنا لازوال و بے نہایت ہے
تمہیں معلوم ہو جائیگا پھر اس وقت یہ نکتہ
کہ طاقت اور مسرت کی
حقیقت کیا ہے دنیا میں
جو ناداں ہیں وہی
ان کی تمنا کرتے رہتے ہیں

☆☆

۱۸۹

ذہن میرا بھٹکتا رہتا ہے
آسمانوں میں اور زمینوں میں
سارے آفاق پر یہ حاوی ہے
یہ کبھی بھول کر نہیں جاتا
علم و دانش کی سرزمینوں پر
واقعی جن کی اہمیت ہے کچھ
یہ اگر اس طرف بھی مائل ہو
اس کو مل جائیں دائمی خوشیاں!

☆☆

۱۹۰

اس کا بستر زمین کی آغوش
نرم پودے ہی اس کا تکیہ ہیں
آسماں اس کا شامیانہ ہے
کر رہی ہے ہوا مگس رانی
چاند اس کا چراغ تابندہ
اور قناعت ہے اس کی محبوبہ
تزکیۂ نفس عیش و عشرت ہے
ایک جوگی بھبھوت کو مل کر
کس قدر پرسکون سوتا ہے
جیسے اک بادشاہ کی نیندیں

☆☆

۱۹۱

آدمی کو کیا ضرورت
مذہبی ساری کتابیں یاد کرنے اور پڑھنے کی
اور پند و موعظت کی موٹی موٹی ان کتابوں کی
اور ادا کرنے کی مذہب کی یہ گونا گوں رسوم
اس تمنا میں کہ جنت پا سکے؟
جب کہ ان سب کا تقابل روزِ محشر سے کریں
سارے دنیاوی مصائب
ختم ہو جائیں گے جب
اور انسانوں کی روحیں،
رحمتوں سے ہو سکیں گی ہمکنار
تو یہ سب چیزیں ہیں سامانِ تجارت کی مثال

☆☆

۱۹۲

زندگی اک موج ہے ناپائیدار
اور جوانی آتی جاتی اک بہار
ایک ذہنی واہمہ تقدیر ہے
اور مسرت جیسے اک بجلی
چمک جائے کہیں برسات میں
اور محبوبہ کی بانہوں میں سما جانے کا لطف
عارضی لذت کا حامل ہے فقط
اس لئے ارضی مصائب کا
سمندر پار کرنے کے لئے
تم اب سب سے اونچے برہمن سے لَو لگاؤ

☆☆

۱۹۳

دامنِ دشت، چاندنی راتیں
صحبتِ پر مذاق یاروں کی
شاعرانہ روایتیں ساری
کتنی مسحور کن ہیں یہ چیزیں
اک حسینہ کا چاند سا چہرہ
جس پہ غصے کی جھلکیوں کی نمود
وہ بھی مسحور کن ہی ہوتا ہے
ہاں مگر ایک بات یاد رکھیں
عارضی ہے وجود ان سب کا

☆☆

۱۹۴

جب تک اس کے قوائے جسمانی
زندگی میں صحیح سلامت ہیں
اور بڑھاپا بھی دور ہے اس کے
اس کا احساسِ جنس زندہ ہے
اس کا جوش و خروش باقی ہے
مردِ دانا کا یہ وطیرہ ہے
کرتا رہتا ہے روح کی تکمیل
جب کسی کا مکان جلنے لگے
پھر کنواں کھودنے سے کیا حاصل؟

☆☆

✳

۱۹۵

علم اتنا نہ کر سکا حاصل

تا کہ دنیا کے اہلِ دانش سے

بحث کرتا، مناظرہ کرتا

میں شجاعانہ کارناموں میں

خود کو مشہور کر نہیں پایا

اور نہ میں نے کسی حسینہ کے

نرم و نازک حسین ہونٹوں سے

قند و آبِ حیات نوش کیا

زندگی میری اس طرح گزری

ٹوٹے پھوٹے مکان کے اندر

اک دیا جیسے جھلملاتا ہو

☆☆

✳

۱۹۶

واقعی ہیں آپ مردِ کامیاب

جو پہاڑی غار میں بیٹھے ہوئے

اپنے دل کی روشنی کے ساتھ

مصروفِ ریاضت ہیں

خوش نصیبی کی علامت چند چڑیاں

پینے آ جاتی ہیں جو آنسو مسرّت کے

بیٹھ جاتی ہیں کھلی آغوش میں

لیکن ہمارے جیسے احمق آدمی

ضائع کر دیتے ہیں اپنی زندگی

لہو و لعب میں

نفس کے تعمیر کردہ محل میں

اور مسرت کے درختوں اور تالابوں کے اندر

مستیاں کرتے ہوئے

☆☆

۱۹۷

پیدا ہوا ہے جو اسے مرنا ضرور ہے
جو ہے جوان اس پہ بڑھاپا بھی آئیگا
دشمن طمانیت کی ہیں انسانی خواہشات
غارت گرِ سکوں ہے حسینوں کی اک نگاہ
بغض وعناد خوبیٔ سیرت کا ہے حریف
جنگل بھرا ہے اژدر و مارِ سیاہ سے
حتیٰ کہ بادشاہوں کے دشمن بھی ہیں بہت
ناپائیدار ہوتا ہے دنیا کا مال و زر
کیا کوئی ایسی چیز بھی دیکھی ہے آپ نے
جس کو کوئی زوال نہ ہو، لازوال ہو؟

☆☆

۱۹۸

جوانی کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں
نفس امّارہ کی ساری لعنتیں
طائرِ دولت جہاں کر لے بسیرا
حملہ کرتا ہے وہاں پر
بدنصیبی کا ہجوم
اور پھر اک
ذی روح پر آخر مسلط ہو کے رہ جاتی ہے موت
کوئی شے دنیا میں ایسی بھی کبھی پیدا ہوئی
جو کہ قسمت کی ستم آرائی سے محفوظ ہو؟

☆☆

۱۹۹

اپنی پیدائش سے پہلے آدمی رہتا ہے قید
ایک عورت کے اندھیرے پیٹ میں
اور جوانی میں جدائی کے ستم سہتا ہے وہ
دور جانے والے ہر محبوب کا غم اس کو ملتا ہے
اور پھر پیرانہ سالی بھی ہے
اک مستقل لعنت
کہ نفرت کی نظر سے دیکھتی ہیں عورتیں اس کو
ذرا بتلاؤ اے لوگو!
یہ فانی زندگی ہم کو خوشی بھی کوئی دیتی ہے؟

☆☆

۲۰۰

جہاں میں آدمی کی زندگی سو سال کی
ہوتی ہے مشکل سے
اور اس کا نصف حصہ تو
گزر جاتا ہے راتوں میں
سحر کا جاگنے کا وقت بھی ضائع ہی جاتا ہے
جواں ہو یا کہ بوڑھا
دونوں ایسے وقت میں کچھ کر نہیں سکتے
جوانی آدمی کی اک غلامی
اور مصیبت میں گزرتی ہے
خوشی ملتی ہے کب انسان کو عمرِ گریزاں میں
جو ہے موجوں سے زیادہ عارضی و بے ثبات آخر

☆☆

کتابیات (Bibliography)

۱ اردو سہ ماہی، کراچی، شمارہ ۴ — انجمن ترقی اردو، کراچی، پاکستان — ۱۹۷۷ء

۲ اقبال: شاعر اور سیاست داں — ڈاکٹر رفیق زکریا / ترجمہ: عبدالستار دلوی — انجمن ترقی اردو ہند، دہلی

۳ اقبال اور اس کا عہد — جگن ناتھ آزاد — الادب، لاہور — ۱۹۸۹ء

۴ اقبال اور انسان — اشفاق حسین

۵ اقبال (بزبانِ انگریزی) — عطیہ بیگم فیضی، اکیڈمی آف اسلام پبلی کشن ممبئی — ۱۹۴۷ء

۶ بال جبریل — اقبال

۷ بھرتری ہری: نیتی شتک — رگھو ویندر راؤ جذب عالم پوری — اندھرا پردیش ساہتیہ اکاڈمی

۸ بھرتری ہری — جے کرشن چودھری، ادارہ انیس اردو الہ آباد — ۱۹۵۹ء

۹ بھرتری ہری — یوسف ناظم — دلی — ۱۹۸۵ء

۱۰ بیاں اپنا اپنا — عصمت جاوید

۱۱ جاوید نامہ — اقبال

۱۲ جاوید نامہ — منظوم ترجمہ — مضطر مجاز

۱۳ جوہر تثلیث یعنی بھرتری ہری شتک — بابو گوری شنکر لال اختر — دلی — ۱۹۱۳ء

۱۴ رنگ بست — جعفر علی خاں اثر لکھنوی

۱۵ روز گار فقیر — سید وحید الدین، کراچی — ۱۹۶۸ء

۱۶ شاعرِ اعظم بھرتری ہری — امتیاز الدین احمد — ۱۹۸۳ء

۱۷ شرح بالِ جبریل — یوسف سلیم چشتی، لاہور

۱۸ شعر و حکمت (ترجمہ میرا جی) — مغنی تبسم/شہریار

۱۹ فکرِ اقبال — خلیفہ عبدالحکیم

۲۰ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (جلد دوم) — مرتبہ: سید مظفر حسین برنی، اردو اکادمی دہلی — ۱۹۹۳ء

۲۱ لمعاتِ بصیرت — رگھو ناتھ گھئی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی — ۱۹۸۸ء

English Books

1. A History of India Vol I
by : Romila Thapar Penguine Books 1968
Vol III P.I 1962
2. A History of Indian Literature
by :M. WInternitz, Tr. into English by : Subhadra Jha
3. A History of Sanskrit Literature
by : A. B. Keith, Oxfor University Press 1920
4. A History of Sanskrit Literature
by : Arthur A. Macdonell, M. Ram Manoharlal , N. Delhi
5. A History of Sanskrit Literature
by : S. N. Dasgupta & S.K. De, University of Colkata 1966
6. Bhartari Hari Poems
by : Barbara Stoler Miller, Columbia University
7. Bhartari Hari Says
Dixon Scott Fedrick Muller, London
8. Bhartari Hari and Bilhana 1990
by : Barbara Stoler Miller - Penguin books
9. Bhartrihar: The Epigrams attributed to Bhartrihari 1948
Ed. D.D. Kosambi, Bombay
10. Poems from the Sanskrit 1982
Jhon Brough, Penguin Books
11. Poems from the Sanskrit 1982
Translated by : John Brough, Penguine Books
12. The Century of Life
Sri Arbindo Ghosh
13. Ths Satakas of Bhartrihari 1886
Rev. B. Hale Wortham, London
14. Vairagya Satakam
Text in Devnagiri with Translation, Advaita Ashram, Calcutta 1994
by Swami Madhavananda, Kolkata
15. Vakya Padiya of Bhartrihari with the Vritti (English Translation) 1965
K. A. Subramania Iyer, Deccan College, Pune
16. Gabriel's Wing by : Annemarie Schimmel
Published by : E. J. Brill, Leiden 1963
17. Wounder that was India by: A. L. Basham
Pub. by: Sidgwick and Jackson 1967
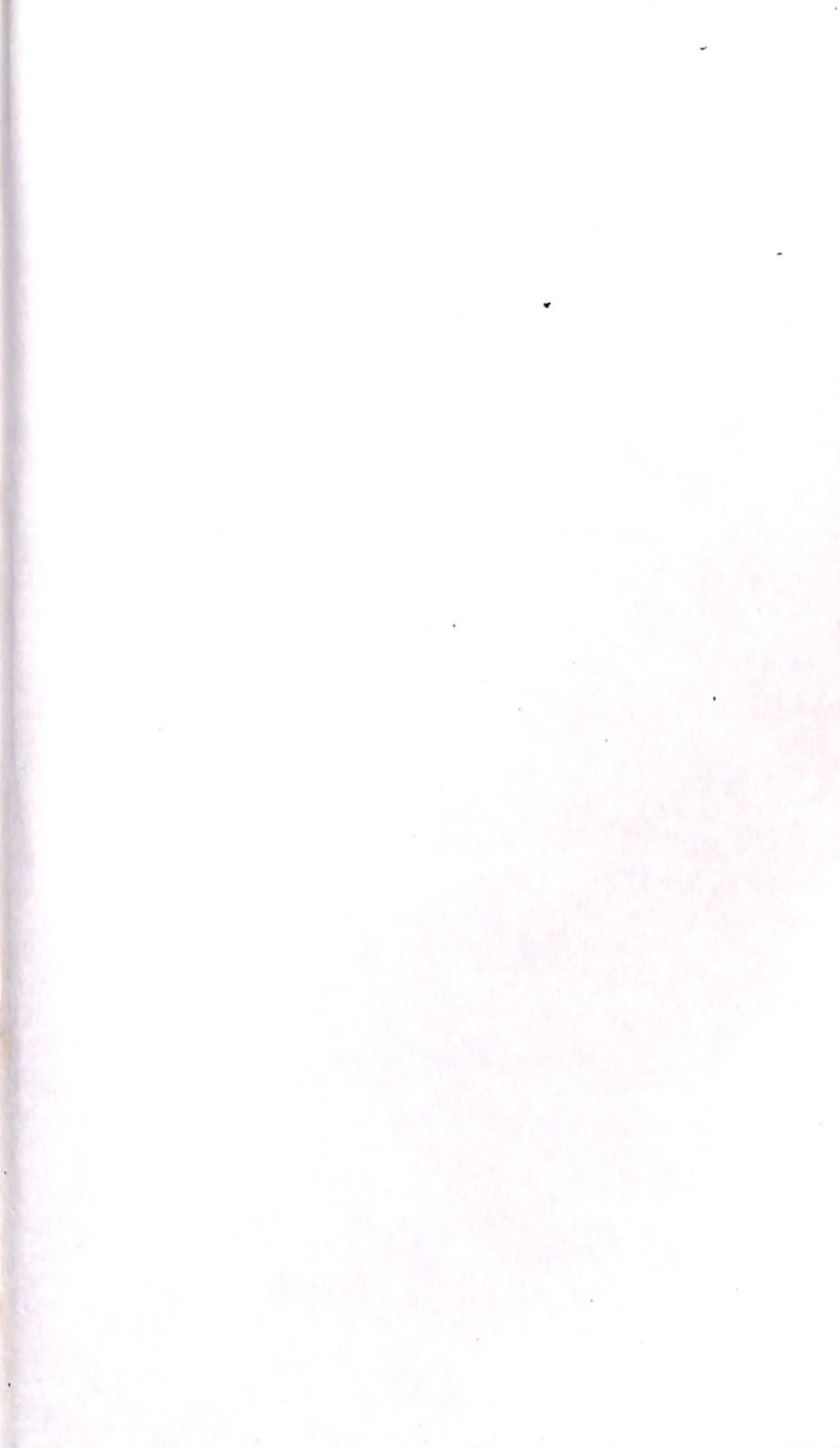
Cultural Medley

Not only has a lot has been written on Ram and the Ramayana in Urdu, as was pointed out recently during a seminar in the city, " but I know of at least 100 poems written on Sri Krishna by poets like Nazeer Akabarabadi, Maulana Zafar Ali Khan, Hasrat Mohani and others," points out A. M. I. Dalvi, a former head of the department of Urdu, Mumbai university.

Mr. Dalvi himself has translated Bhartrihari, the Sanskrit writer, and Sant Ramdas's poetry into Urdu. He says there are also 40 Urdu translations of the Gita. One of the great things about Urdu is that it has always been in literature a language of humanism, fraternity and love. It is often rife with sarcasm against fundamentalists.

Non-Muslim writers too have made a major contribution to Urdu, like Lallulal, Daya Shankar Naseem, Ratan Nath Sarshar, Premchand, Durga Sahai Suroor,Braj Narayan Chakbast and many others. Urdu can become a major linguistic bridge between India and Pakistan with literary legends like Faiz, Meer, Ghalib, Iqbal, Premchand and Firaq, points out Mr. Dalvi.

(The Times of India - Mumbai, City Light - 5th April 1999.)

Iqbal ka ek Mamdooh
Azeem Sanskrit Shair Aur Mufakkir

BHARTRIHARI

by:

Professor Abdus Sattar Dalvi

ادبی تحقیق اور لسانیات میں پروفیسر عبدالستار دلوی کانام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ہندو پاک کے علمی جرائد میں ان کے مقالات شائع ہوتے رہے ہیں۔ لسانیات، ادب اور تراجم سے متعلق ان کی متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ اصولِ تحقیق، لسانیاتی تحقیق، زبانوں میں لسانی اور ادبی رشتے ان کے مطالعے کے خصوصی موضوعات ہیں۔

وہ ملک اور بیرونِ ملک کے کئی علمی سفر کرچکے ہیں۔برطانیہ، مصر، ایران، ترکی، سعودی عرب، دوحۂ قطر اور جنوبی افریقہ میں انہوں نے کئی مذاکرات میں شرکت کی ہے۔ وہ مشرقی علوم مثلاً فارسی، عربی اور اسلامی ثقافت اور قدیم سنسکرت شاعری سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایران شناسی کے لئے ایران اور عربی شناسی کے لئے مصر، سعودی عرب اور ترکی کے سفر ان کے یادگار سفر ہیں۔ فارسی کی لسانی اور تہذیبی اہمیت، مغربی ہندوستان کی دو بولیوں کوکنی اور نوائطی پر فارسی کے اثرات اور عمر خیام کے تراجم اردو اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں، کے عنوانات پر انہوں نے ایران کلچر ہاؤس، ممبئی اور شعبۂ فارسی، ممبئی یونیورسٹی میں مقالات پیش کئے ہیں۔

جنوری ۲۰۰۲ء میں اپنی مادرِ علمی اسمٰعیل یوسف کالج، ممبئی کے بانی کے اعزاز میں منعقدہ پہلا سر محمد یوسف میموریل لکچر" اسمٰعیل یوسف کالج، ممبئی اور ہندوستان میں مشرقی زبانوں کے مطالعے کی عصری معنویت " پر یادگار خطبہ دینے کا بھی انہیں اعزاز حاصل ہے۔

' پونے کے مسلمان'، ' علی سردار جعفری- شخص ، شاعر اور ادیب' اور 'پروفیسر خان بہادر شیخ عبدالقادر سرفراز (احوال اور آثار) ان کی حالیہ تصانیف ہیں۔آپ کی شخصیت ایک ادارہ ساز شخصیت ہے۔ آج کل آپ ' دکن مسلم ایجوکیشن اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پونے' کے ڈائرکٹر ہیں۔

DAIRATUL ADAB
Bandra, Mumbai - 400 050